جماعت احمدیہ امریکہ کے 49 ویں جلسہ سالانہ کا افتتاح

بیت الرحمان امریکہ میں خطبہ کے ذریعے حضرت امام جماعت احمدیہ الرابع نے جلسہ کا آغاز فرمایا

یہ خطبہ احمدیہ ٹیلی ویژن پر امریکہ سے دنیا بھر میں لائیو نشر کیا گیا

امریکہ - 20- جون 1997ء ۔ حضرت امام جماعت احمدیہ الرابع نے بیت الرحمان امریکہ میں خطبہ کے ذریعے جماعت احمدیہ امریکہ کے 49 ویں جلسہ سالانہ کا افتتاح فرمایا۔ یہ خطبہ امریکہ سے احمدیہ ٹیلی ویژن پر لائیو دکھایا گیا۔ پاکستان کے وقت کے مطابق خطبہ رات ساڑھے گیارہ بجے شروع ہوا۔ ایک بجے کے قریب ختم ہوا۔

اس خطبہ میں حضرت صاحب نے بچوں کی تربیت کے بارے میں اس نکتہ کو وضاحت سے بیان فرمایا کہ بچوں کو اپنے دین کی باتوں پر فخر کرنا سکھائیں نیکی کرتے ہوئے ان کی حوصلہ افزائی کریں۔ ان کو نیکی کی حکمت بتا کر نیکیوں پر پختہ کریں۔ تاکہ وہ بڑے ہو کر امریکی ماحول سے متاثر ہونے کی بجائے ان کو متاثر کرنے والے ہوں۔ حضرت صاحب نے فرمایا کہ امریکہ کی تبدیلی بہت بڑی تبدیلی ہے اگر ہم نے یہ تبدیلی نہ کی تو اور کون کرے گا۔ ساری دنیا میں احمدی تبدیلیاں پیدا کر رہے ہیں امریکہ میں اگر 5 ہزار ایسے احمدی پیدا ہو جائیں جو روحانی تبدیلی کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں تو سارے امریکہ کو بچایا جا سکتا ہے۔

حضرت صاحب نے وہاڑی کے سابق امیر محترم چوہدری عتیق احمد باجوہ ایڈووکیٹ کی راہ میں خدا میں جان قربان کرنے کا ذکر کرتے ہوئے ان کے اوصاف حمیدہ کا ذکر فرمایا۔

ایک واقف زندگی مکرم رشید احمد صاحب زیروی کی دل کے دورے سے وفات کا بھی حضرت صاحب نے ذکر فرمایا اور ان کی وفات کو ایک رنگ میں راہ خدا میں جان پیش کرنا قرار دیا۔ ہر دو وفات یافتگان کا جنازہ غائب پڑھنے کا بھی اعلان فرمایا۔

THE AHMADIYYA GAZETTE is published by the **AHMADIYYA MOVEMENT IN ISLAM,** INC., at the local address 31 Sycamore Street, P. O. Box 226, Chauncey, OH 45719. **PERIODICALS POSTAGE PAID AT CHAUNCEY, OHIO. 45719**
Postmaster: Send address changes to:
AHMADIYYA GAZETTE
P. O. BOX 226,
CHAUNCCEY, OH 45719-0226

وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا (۳۱)

اور رسول نے کہا۔ اے میرے رب! میری قوم نے تو اس قرآن کو پیٹھ کے پیچھے پھینک دیا ہے۔ ع ۱۳

تفسیر:۔ فرماتا ہے۔ قیامت کے دن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم خدا تعالیٰ کے حضور افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہیں گے کہ خدایا میری قوم نے تیرے اس قرآن کو بالکل چھوڑ دیا۔ اور اپنی پیٹھ کے پیچھے ڈال دیا۔ یہ ایک نہایت مختصر سا فقرہ ہے مگر اس میں ایسا درد بھرا ہوا ہے کہ یہ میرے سامنے کبھی نہیں آیا کہ میرا دل اس کو پڑھکر کانپ نہ گیا ہو۔ دیکھو رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم یہ نہیں فرماتے کہ اے میرے رب! میری قوم نے قرآن کو بالکل ترک کر دیا حالانکہ یہ کہنا بھی کافی تھا۔ بلکہ فرماتے ہیں۔ اے میرے رب! میری قوم نے اس قرآن کو چھوڑ دیا۔ یہاں ھٰذَا کا لفظ بہت ہی درد اور افسوس کو ظاہر کر رہا ہے فرماتے ہیں۔ خدایا تُو نے میری قوم کو یہ ایک ایسی اعلیٰ درجہ کی نعمت دی تھی۔ اور ایسی بابرکت کتاب بخشی تھی کہ جس کی دنیا میں اور کوئی مثال نہ تھی۔ مگر میری قوم نے اس کو بھی چھوڑ دیا۔ دنیا میں دھیلے دمڑی کی چیز کو تو کوئی چھوڑتا نہیں لیکن ایسے قرآن کو جس کے مقابل میں ساری دنیا کا مال و متاع بھی کچھ حقیقت نہیں رکھتا چھوڑ دیا گیا اور اسے پیٹھ کے پیچھے پھینک دیا گیا۔

اسجگہ قوم کے مصداق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے وہ لوگ بھی ہیں جنہوں نے آپ کو نہ مانا۔ مگر آجکل کے مسلمان بھی اس کے مخاطب ہیں جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی کہلانے کے باوجود قرآن کریم کو بالکل چھوڑ بیٹھے ہیں۔ وہ قرآن جو اُن کی ہدایت کے لئے آیا تھا اور جس کے متعلق خدا تعالےٰ فرماتا ہے کہ وہ انسان کو اعلیٰ سے اعلیٰ درجہ تک پہنچانے کے لئے آیا ہے اُس کو آجکل اس طرح استعمال کیا جاتا ہے کہ زندگی بھر تو قرآن کا ایک لفظ بھی اُن کے کانوں میں نہیں پڑتا لیکن جب کوئی مرجائے تو اُس کو قرآن سُنایا جاتا ہے حالانکہ مرنے پر سوال تو یہ ہوتا ہے کہ بتاؤ تم نے اس پر کیا عمل کیا نہ یہ کہ مرنے کے بعد تمہاری قبر پر کتنی بار قرآن ختم کیا گیا۔ پھر ایک استعمال اس کا یہ ہے کہ ضرورت پڑے تو آٹھ آنے لے کر اُس کی جھوٹی قسم کھائی جاتی ہے اور اس طرح اسے دوسروں کے حقوق دبانے کا ایک آلہ بنایا جاتا ہے۔ تیسرے اس طرح کہ مُلّاں اس سے فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ جب کوئی مرجاتا ہے تو اُس کے وارث قرآن لاتے ہیں کہ اِس ذریعہ سے اس کے گناہ بخشوائیں۔ اور مُلّا نے ایک حلقہ سا بناکر بیٹھ جاتے ہیں اور قرآن ایک دوسرے کو پکڑاتے ہوئے کہتے ہیں کہ مَیں نے یہ تیری مِلک کی۔ اِس طرح وہ سمجھتے ہیں کہ مُردہ کے گناہوں کا اسقاط ہو گیا۔ مگر مردہ کے گناہوں کا کیا اسقاط ہوتا ہے اُن مُلانوں اور اس مُردہ کے وارثوں کے ایمانوں کا اسقاط ہوجاتا ہے۔ پھر ایک استعمال اس کا یہ ہے کہ مُلانے آٹھ آٹھ آنے کے قرآن لے آتے ہیں اور جب کسی کے ہاں کوئی مرجاتا ہے اور وہ قرآن لینے آتا ہے تو اُسے بہت سی قیمت بتا دی جاتی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ یہ تو ایک روپیہ سے بھی کم قیمت کا ہے تو مُلّاں صاحب کہتے ہیں۔ قرآن کیا سستے داموں بک سکتا ہے۔ تھوڑی قیمت پر تو اس کا بیچنا منع ہے خود قرآن میں آتا ہے لَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا (بقرہ ع)، کہ میری آیتوں کے بدلے میں تھوڑی قیمت مت لو۔ اس لئے اس کی تھوڑی قیمت نہیں لی جاسکتی۔ مگر وہ نادان نہیں جانتے کہ قرآن نے تو یہ بھی فرمایا ہے کہ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ (نساء ع) کہ دنیا کا سب مال و متاع ایک حقیر چیز ہے۔ پھر کسی دنیوی چیز کے بدلہ میں اسے بیچنا کس طرح جائز ہوا! دراصل اِس آیت میں ثَمَنًا قَلِيْلًا کے یہ معنے ہیں کہ دنیا کے بدلے اسے نہ بیچو۔ نہ یہ کہ تھوڑی قیمت نہ لو۔ پھر ایک استعمال اس کا یہ رہ گیا ہے کہ اسے عمدہ غلاف میں لپیٹ کر دیوار سے لٹکا دیتے ہیں پھر ایک استعمال اس کا یہ ہے کہ جُزدان میں ڈال کر گلے میں لٹکا لیتے ہیں تاکہ عوام سمجھیں کہ بڑے بزرگ اور پارسا ہیں ہر وقت قرآن پاس رکھتے ہیں۔ غرض آج مسلمان در گور و مسلمانی در کتاب" والی بات نظر آتی ہے۔ اسلام کا نشان صرف قرآن کریم اور احادیث صحیحہ اور کتب ائمہ میں ملتا ہے اس کا نشان لوگوں کی زندگیوں میں کہیں نہیں ملتا۔ پچھتّر فیصدی مسلمان نماز کے تارک ہیں۔ زکوٰۃ اوّل تو دیتے ہی نہیں اور جو دیتے ہیں اُن میں سے جو اپنی خوشی سے دیتے ہیں وہ شاید سَو میں سے دَو نکلیں۔ حج جن پر فرض ہے وہ اس کا نام نہیں لیتے اور جن کے لئے نہ صرف یہ کہ فرض نہیں بلکہ بعض حالات میں ناجائز ہے وہ اپنی رسوائی اور اسلام کی بدنامی کرتے ہوئے حج کے لئے پہنچ جاتے ہیں۔ نماز کا ترجمہ تو عربی بولنے والے ممالک کے سوا شاید مسلمانوں میں دَو چار فیصدی ہی جانتے ہوں مگر وہ بے معنی نماز بھی جو لوگ پڑھتے ہیں اُسے اس طرح چٹی سمجھ کر پڑھتے ہیں کہ رکوع اور سجدے میں فرق کرنا مشکل ہو جاتا ہے اور نماز میں اپنی زبان میں دعا مانگنا تو کفر ہی سمجھا جانے لگا ہے۔ روزہ اوّل تو کئی لوگ رکھتے ہی نہیں اور جو لوگ رکھتے ہیں وہ جھوٹ اور غیبت سے اُسے موجبِ ثواب بنانے کی بجائے موجبِ عذاب بنا لیتے ہیں۔ ورثہ کے احکام پس پُشت ڈالے جاتے ہیں۔ سُود جس کا لینا خدا سے جنگ کرنے کے مترادف قرار دیا گیا ہے علماء کی مدد سے ہزاروں حیلوں اور بہانوں کے ساتھ اسکی وہ تعریف کی گئی ہے کہ اب شاید ہی کوئی سود کی لعنت سے محفوظ ہو۔ اخلاقِ فاضلہ جو کسی وقت مسلمان کا ورثہ اور اُس کا حق سمجھے جاتے تھے اب مسلمانوں سے اِس قدر دُور ہیں جس قدر کفر اسلام سے۔ کسی زمانے میں مسلمان کا قول نہ ٹلنے والی تحریر سمجھا جاتا تھا۔ اور اس کا وعدہ ایک نہ بدلنے والا قانون مگر آجکل مسلمان کی بات سے زیادہ اَور کوئی غیر معتبر قول نہیں، اور اسکے وعدے سے زیادہ اَور کوئی بے حقیقت شے نظر نہیں آتی۔ یہ تباہی جو عملی اور اعتقادی لحاظ سے مسلمانوں پر آئی اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ انہوں نے قرآن کریم کو چھوڑ دیا اور اس پر عمل کرنا ترک کر دیا۔ اگر وہ قرآن کریم پر عمل کرتے تو جس طرح صحابہؓ ساری دنیا پر غالب آ گئے تھے۔ اسی طرح وہ بھی غالب آجاتے اور کفر اور شیطنت کا نشان تک دنیا سے

مٹ جاتا۔ مَیں نے اپنی جماعت کے دوستوں کو بھی بارہا توجہ دلائی ہے کہ وہ اپنی اپنی جماعتوں میں قرآن کریم کے درس کا باقاعدہ انتظام کریں۔ لیکن مجھے افسوس ہے کہ ابھی تک جماعتوں نے اس طرف پوری توجہ نہیں کی حالانکہ قرآن کریم اپنے اندر اتنی برکات رکھتا ہے کہ قیامت کے دن رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم خدا تعالےٰ کے حضور کھڑے ہو کر کہیں گے کہ اے میرے خدا مجھے اپنی قوم کے افراد پر انتہائی افسوس ہے کہ مَیں نے تیرا محبت بھرا پیغام اُن تک پہنچایا مگر بجائے اس کے کہ وہ تیرے پیغام کو سُن کر شادیٔ مرگ ہو جاتے۔ بجائے اس کے کہ وہ اُسے سُن کر ممنون ہوتے۔ بجائے اس کے کہ اسے سُنکر ان کے جسم کا ہر ذرّہ اور اُن کے دل کی ہر تار کانپنے لگ جاتی۔ بجائے اس کے کہ وہ اس مژدۂ جانفزا کو سُنکر عقیدت اور اخلاص سے اپنے سر جھکا دیتے اِتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا انہوں نے تیرے پیغام کو اپنی پیٹھوں کے پیچھے پھینک دیا اور کہا کہ جاؤ ہم اس کی پرواہ نہیں کرتے۔ بیشک اندھی دُنیا خدا تعالیٰ کے پیغام کے ساتھ یہی سلوک کرتی چلی آئی ہے مگر وہ دنیا جو یہ جانتی نہیں کہ خدا تعالےٰ کیا ہے اور اس کا رسول کتنی بڑی شان رکھتا ہے وہ جو کچھ کرتی ہے اُسے کرنے دو۔ مَیں اس مومن سے پوچھتا ہوں جو کہتا ہے کہ خدا ہے جو جانتا ہے کہ خدا تعالیٰ کے کلام کی کیا عظمت ہے۔ جو سمجھتا ہے کہ خدا تعالیٰ کا بندے کو مخاطب کرنا خواہ وہ بالواسطہ ہو یا بلاواسطہ ایک عظیم الشان انعام ہے کہ یہ کیسی عجیب بات ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کے کلام کو سُنتا اور پھر اس کا جواب نہیں دیتا۔ اور اس پر عمل کرنے کے لئے اس کے دل میں کوئی ولولہ پیدا نہیں ہوتا۔ حالانکہ بسم اللہ کی ب سے لے کر والنّاس کے س تک قرآن کریم کا ایک ایک کلمہ۔ اس کا ایک ایک لفظ اور اس کا ایک ایک حرف خدا تعالیٰ کی طرف سے بندے کیلئے سلام کا پیغام لے کر آیا ہے اور اپنے اندر اتنی طاقت رکھتا ہے کہ اگر اب بھی مسلمان خدا تعالیٰ کے پیغام کے جواب کے لئے تیار ہو جائیں اور اس کی اطاعت کے لئے اپنے دلوں کے دروازے کھول دیں تو یقیناً اُن کی دنیا بدل سکتی ہے۔

اگست ۱۹۹۷ء — ظہور ۱۳۷۶ ہش

فہرست مضامین

نگران — صاحبزادہ مرزا مظفر احمد امیر جماعت امریکہ

مدیر — سید شمشاد احمد ناصر

احادیث النبی صلی اللہ علیہ وسلم

— عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: خَیْرُکُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ وَ عَلَّمَہٗ۔ (بخاری کتاب فضائل القرآن باب خیرکم من تعلم القرآن)

حضرت عثمان بن عفانؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے بہتر وہ ہے جو قرآن کریم سیکھتا اور دوسروں کو سکھاتا ہے۔

— عَنْ بَشِیْرِ بْنِ عَبْدِ الْمُنْذِرِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ لَّمْ یَتَغَنَّ بِالْقُرْاٰنِ فَلَیْسَ مِنَّا۔ (ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب کیف یستحب الترتیل فی القراءۃ)

حضرت بشیرؓ بن عبدالمنذر بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص قرآن مجید خوش الحانی سے اور سنوار کر نہیں پڑھتا اس کا ہمارے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔

— عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمَا قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: اِنَّ الَّذِیْ لَیْسَ فِیْ جَوْفِہٖ شَیْءٌ مِّنَ الْقُرْاٰنِ کَالْبَیْتِ الْخَرِبِ۔

(ترمذی فضائل القرآن باب من قرأ حرفاً)

حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کو قرآن کریم کا کچھ حصہ بھی یاد نہیں وہ ویران گھر کی طرح ہے۔

— عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَثَلُ الْمُؤْمِنِ الَّذِیْ یَقْرَأُ الْقُرْاٰنَ مَثَلُ الْاُتْرُجَّۃِ رِیْحُھَا طَیِّبٌ وَطَعْمُھَا طَیِّبٌ وَ مَثَلُ الْمُؤْمِنِ الَّذِیْ لَا یَقْرَأُ الْقُرْاٰنَ مَثَلُ التَّمْرَۃِ طَعْمُھَا طَیِّبٌ وَلَا رِیْحَ لَھَا وَ مَثَلُ الْفَاجِرِ الَّذِیْ یَقْرَأُ الْقُرْاٰنَ کَمَثَلِ الرَّیْحَانَۃِ رِیْحُھَا طَیِّبٌ وَطَعْمُھَا مُرٌّ وَ مَثَلُ الْفَاجِرِ الَّذِیْ لَا یَقْرَأُ الْقُرْاٰنَ کَمَثَلِ الْحَنْظَلَۃِ طَعْمُھَا مُرٌّ وَلَا رِیْحَ لَھَا۔

(ابوداؤد کتاب الادب باب من یؤمر ان یجالس)

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قرآن کریم پڑھنے والے مومن کی مثال نارنگی کی سی ہے کہ جس کا مزہ بھی اچھا ہوتا ہے اور خوشبو بھی عمدہ ہوتی ہے۔ اور اس مومن کی مثال جو قرآن کریم کی تلاوت نہیں کرتا وہ کھجور کی طرح ہے کہ اس کا مزہ تو اچھا ہے لیکن اسکی خوشبو نہیں ہوتی اور اس فاجر کی مثال جو قرآن کریم کی تلاوت کا عادی ہے گلِ ریحان کی طرح ہے جس کی خوشبو تو اچھی ہوتی ہے لیکن اس کا مزہ کڑوا ہوتا ہے اور اس فاجر کی مثال جو قرآن کریم نہیں پڑھتا حنظل کی طرح ہے جس میں مہک اور خوشبو بھی نہیں ہوتی اور اسکا مزہ بھی تلخ اور کڑوا ہوتا ہے۔

بجز تقویٰ کے اور کسی بات سے اللہ تعالیٰ راضی نہیں ہوتا

ہماری جماعت کے لئے خاص کر تقویٰ کی ضرورت ہے

"اپنی جماعت کی خیر خواہی کے لئے زیادہ ضروری بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ تقویٰ کی بابت نصیحت کی جاوے کیونکہ یہ بات عقلمند کے نزدیک ظاہر ہے کہ بجز تقویٰ کے اور کسی بات سے اللہ تعالیٰ راضی نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿ان اللہ مع الذین اتقوا والذین ھم محسنون﴾ (النحل ۱۲۹)۔

ہماری جماعت کے لئے خاص کر تقویٰ کی ضرورت ہے خصوصاً اس خیال سے بھی کہ وہ ایسے شخص سے تعلق رکھتے ہیں اور اس کے سلسلہ بیعت میں ہیں جس کا دعویٰ ماموریت کا ہے تا وہ لوگ جو خواہ کسی قسم کے بغضوں، کینوں، یا شرکوں میں مبتلا تھے یا کیسے ہی روبدنیا تھے، ان تمام آفات سے نجات پاویں۔

آپ جانتے ہیں کہ اگر کوئی بیمار ہو جاوے خواہ اس کی بیماری چھوٹی ہو یا بڑی اگر اس بیماری کے لئے دوانہ کی جاوے اور علاج کے لئے دکھ نہ اٹھایا جاوے بیمار اچھا نہیں ہو سکتا۔ ایک سیاہ داغ منہ پر نکل کر ایک بڑا فکر پیدا کر دیتا ہے کہ کہیں یہ داغ بڑھتا بڑھتا کل منہ کو کالا نہ کر دے۔ اسی طرح معصیت کا بھی ایک سیاہ داغ دل پر ہوتا ہے۔ صغائر سہل انگاری سے کبائر ہو جاتے ہیں۔ صغائر وہی داغ چھوٹا ہے جو بڑھ کر آخر کار کل منہ کو سیاہ کر دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ رحیم و کریم ہے ویسا ہی قہار اور منتقم بھی ہے۔ ایک جماعت کو دیکھتا ہے کہ ان کا دعویٰ اور لاف و گزاف تو بہت کچھ ہے اور ان کی عملی حالت ایسی نہیں تو اس کا غیظ و غضب بڑھ جاتا ہے۔ پھر ایسی جماعت کی سزا دہی کے لئے وہ کفار کو ہی تجویز کرتا ہے۔ جو لوگ تاریخ سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ کئی دفعہ مسلمان کافروں سے تہ تیغ کئے گئے۔ جیسے چنگیز خان اور ہلاکو خان نے مسلمانوں کو تباہ کیا حالانکہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے حمایت اور نصرت کا وعدہ کیا ہے لیکن پھر بھی مسلمان مغلوب ہوئے۔ اس قسم کے واقعات بسا اوقات پیش آئے۔ اس کا باعث یہی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ دیکھتا ہے کہ لا الہ الا اللہ تو پکارتی ہے لیکن اس کا دل اور طرف ہے اور اپنے افعال سے وہ بالکل روبدنیا ہے تو پھر اسکا قہر اپنا رنگ دکھاتا ہے"۔

(ملفوظات جلد اول، طبع جدید، صفحہ ۷)

جماعت احمدیہ امریکہ کے ۴۹ رویں جلسہ سالانہ کا بابرکت انعقاد

سیدنا حضرت امیرالمومنین خلیفتہ المسیح الرابع ایدہ الله کی بابرکت شمولیت اور روح پرور خطابات

جماعت احمدیہ امریکہ کا ۴۹ رواں سہ روزہ جلسہ سالانہ مسجد بیت الرحمان کے وسیع و عریض سبزہ زار پر ۲۰ رجون ۱۹۹۷ء بروز جمعتہ المبارک سہ پہر کو اپنی روائتی شان وشوکت اور نظم وضبط کے ساتھ شروع ہوا۔ یہ جماعت امریکہ کی انتہائی خوش قسمتی ہے کہ گزشتہ تین برسوں کی طرح اس مرتبہ بھی ہمارے پیارے امام سیدنا حضرت خلیفتہ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے بنفسِ نفیس اس جلسہ میں شرکت فرماکر جلسے کی رونق اور اس کی برکات کو چار چاند لگادیئے۔

جلسے کا باضابطہ افتتاح حضرت خلیفتہ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے خطبہ جمعہ کے ذریعے فرمایا۔ یہ خطبہ جمعہ جو حضور نے مسجد بیت الرحمان میں ارشاد فرمایا، حسب معمول سیٹلائٹ کے ذریعے ایم۔ٹی۔اے کی عالمی نشریات میں ساری دنیا میں دیکھا اور سنا گیا۔ حضور ایدہ اللہ نے اپنے خطبہ میں خصوصیت سے آئندہ نسلوں کی تربیت کے موضوع پر روشنی ڈالی۔ (خطبہ کا خلاصہ الفضل انٹرنیشنل میں شائع ہو چکا ہے)۔

شام پونے پانچ بجے زیر صدارت مکرم و محترم حضرت صاحبزادہ میاں مظفر احمد صاحب امیر جماعت احمدیہ امریکہ، جلسہ سالانہ کے پہلے روز کے اجلاس کا آغاز ہوا۔ تلاوت قرآن کریم، نظم اور ان کے انگریزی ترجمہ کے بعد پہلی تقریر برادر منیر حامد صاحب، نائب امیر یو۔ایس۔اے نے اپنے مخصوص انداز میں فرمائی۔ تقریر کا موضوع تھا "اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کس طرح حاصل کی جاسکتی ہے"۔ ازاں بعد مکرم سید شمشاد احمد صاحب ناصر مربی سلسلہ نے آنحضرت ﷺ کے اعلیٰ ترین مقام یعنی شان خاتم النبین کے مبارک موضوع پر ولولہ انگیز تقریر فرمائی۔ اس اجلاس کی آخری تقریر برادر الحاج ذوالوقار یعقوب صاحب (شکاگو) نے "قرآن کریم اور احادیث میں حضرت مسیح موعود و مہدی معہودؑ کی بعثت کے متعلق پیشگوئیاں" کے موضوع پر فرمائی۔ فاضل مقرر نے بڑی تفصیل کے ساتھ ان پیشگوئیوں کا ذکر کیا۔ برادر یعقوب کی تقریر کے ساتھ پہلے اجلاس کی کارروائی اختتام پذیر ہوئی۔

پروگرام کے مطابق اجلاس کے خاتمہ پر ڈنر کا انتظام تھا حسب سابق اس سال بھی حضرت مسیح موعودؑ کے لنگر خانہ کی طرز پر کھانے کا انتظام تھا۔ ہزاروں کی تعداد میں شرکاء جلسہ سالانہ نے حضرت مسیح موعودؑ کے لنگر سے کام و دہن کی تسکین کا سامان کیا۔

حضرت امیرالمومنین خلیفتہ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے ازراہ شفقت واقفین نو بچوں اور ان کے والدین کو شرف ملاقات بخشا۔ بعد ازاں مجلس عرفان منعقد ہوئی جس میں حضور نے متعدد دلچسپ سوالات کے تسلی بخش جواب دیئے۔ اس کے بعد مغرب وعشاء کی باجماعت نمازیں ادا کی گئیں۔

دوسرا دن

دوسرے دن کا پہلا اجلاس محترم ڈاکٹر احسان اللہ ظفر صاحب نائب امیر جماعت احمدیہ امریکہ کی زیر صدارت صبح دس بجے شروع ہوا- تلاوت ، نظم اور ان کے انگریزی ترجمہ کے بعد مکرم محترم مرید ظفر صاحب نے "احمدیت کا پیغام" کے موضوع پر تقریر کی اور بڑے خوبصورت انداز میں اسلامی تعلیم کی خوبیوں پر روشنی ڈالی- مولانا اظہر حنیف صاحب مربی شکاگو نے اپنے مخصوص اور اثرانگیز لہجے میں ایم-ٹی-اے کے ذریعے برپا ہونے والے نئے روحانی انقلاب کا ذکر کیا اور بتایا کہ ایم-ٹی-اے کی نشریات کا دائرہ خدا کے فضل و کرم سے وسیع تر اور مفید تر ہوتا جارہا ہے اور آج ساری دنیا میں ایم-ٹی-اے وہ آفاقی آواز ہے جس کے ذریعے تمام عالم میں اسلام اور احمدیت کا پیغام پہنچایا جارہا ہے اور عالمی بیعت کی وہ کارروائی نشر کی جاتی ہے جس میں بیک وقت لاکھوں سعید روحیں حضرت امیرالمومنین خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے دست مبارک پر بیعت کا شرف حاصل کرتی ہیں اور دنیا کی درجنوں زبانوں میں ایک ساتھ اللہ تعالیٰ کی توحید اور آنحضرت ﷺ کی رسالت کی شہادت پیش کی جاتی ہے-مکرم مولانا اظہر حنیف صاحب کی اس اثرانگیز تقریر کے بعد مکرم امتیاز احمد راجیکی صاحب (فلاڈلفیا) نے اپنے دادا جان حضرت مولانا غلام رسول صاحب راجیکیؓ کی حیات قدسی کے متعلق تقریر کی- حضرت مولانا صاحبؓ نے ۱۸۹۷ء میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دست مبارک پر بیعت کی تھی گویا اس سال اس مقدس بیعت کو ایک سو برس ہو گئے- حضرت مولانا راجیکی صاحبؓ کی مقدس زندگی کے نہایت ایمان افروز واقعات کا بیان حاضرین جلسہ کے ازدیاد ایمان کا باعث ہوا- اس اجلاس کی آخری تقریر مکرم محترم انور محمود خان نیشنل سیکرٹری تبلیغ نے "حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پیشگوئیوں کی روشنی میں اسلام کا مستقبل" کے موضوع پر فرمائی-

جماعت احمدیہ امریکہ کے ۴۹ رویں جلسہ سالانہ کے دوسرے دن کا دوسرا اجلاس تین بجے سہ پہر شروع ہوا- مکرم و محترم برادر منیر احمد حامد نائب امیر اول نے اجلاس کی صدارت کی- حسب معمول تلاوت قرآن کریم اور نظم اور ان کے انگریزی ترجمہ کے بعد نو احمدی مبائعین دوستوں کا مکرم انور محمود خان صاحب نیشنل سیکرٹری تبلیغ نے تعارف کرایا- انہوں نے پہلے بتایا کہ دعوت الی اللہ کی سکیم جنوری ۸۳ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے شروع کی تھی جو خدا کے فضل سے بہت کامیاب رہی اور مثمر بثمرات حسنہ ثابت ہوئی- انہوں نے بڑے ولولہ انگیز انداز میں نو مبائعین کا جماعت سے تعارف کرایا- اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ان نو مبائعین کو اللہ تعالیٰ استقامت عطا فرمائے- آمین- اس وقت چار نو مبائعین نے احباب سے خطاب کرتے ہوئے اپنے قبول احمدیت کے واقعات مختصر طور پر بیان فرمائے جو بے حد دلچسپ اور ازدیاد ایمان کا موجب ہوئے- اس کے بعد حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی زیر صدارت لجنہ اماء اللہ کے اجلاس کی کارروائی سوا چار بجے ٹی-وی کے ذریعے مردانہ جلسہ گاہ میں سنوانے کا آغاز ہوا- ٹھیک پونے پانچ بجے حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کا لجنہ سے خطاب کا آغاز ہوا-

تشہد، تعوذ اور سورہ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور نے احمدی خواتین کو تربیت خصوصاً نئی نسل کی تربیت کی اہمیت کی طرف متوجہ کیا- حضور نے فرمایا کہ "مغربی ملکوں خصوصاً امریکہ میں میں نے محسوس کیا ہے کہ دراصل اللہ تعالیٰ کے وجود سے انکار یعنی دہریت ہماری اخلاقی گراوٹوں کا

باعث ہے جن کا شکار مغربی قومیں ہو رہی ہیں۔اس قسم کے خطرات سے بچنے کے لئے ضروری ہے کہ ان کی تربیت اس قسم کی ہو کہ وہ معلومات دینی کے ساتھ دہریت کے حملوں کا مقابلہ کر سکیں اور ان کو چھوٹی عمر سے ہی ایسی تربیت دی جائے کہ وہ علی وجہ البصیرت اسلام پر پختہ ایمان رکھتی ہوں۔ حضور نے اس سلسلے میں ماؤں کی ذمہ داریوں کی طرف توجہ دلائی۔ماؤں کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنی بچیوں کی تعلیم و تربیت کے لئے خود اپنے علم میں اضافہ کریں اور اپنے نمونے سے مثال قائم کر کے اپنی نئی نسل کو شیطانی حملوں سے محفوظ کرلیں۔ حضور نے فرمایا اگر آپ اپنی بچیوں کے اخلاق کی حفاظت نہیں فرمائیں گی تو آپ کو خطرناک حالات کا سامنا کرنا پڑے گا۔اس لئے آپ کو انتہائی محنت کے ساتھ اپنے تربیتی پروگراموں پر عمل کرنا ہوگا۔ بچوں بچیوں کو ایسی تعمیری اور مفید مصروفیات فراہم کی جائیں جن میں مصروف ہو کر وہ اپنے کام سے پوری طرح مطمئن ہو جائیں۔پھر انہیں دوسرے بے مصرف مشاغل کی طرف توجہ ہی پیدا نہیں ہوگی۔حضور نے اپنے خطاب کے آخر میں فرمایا کہ دنیا میں عورتوں نے بڑے کارنامے انجام دیئے ہیں اسلام نے ماں کے قدموں میں جنت کی بشارت دی ہے اللہ تعالیٰ نے عورت کو بڑا اعلیٰ مقام دیا ہے اس لئے آپ اپنی ذمہ داریوں کو سمجھیں اور اپنے اعلیٰ نمونے سے نئی نسلوں کی عمدہ تربیت کریں۔ قرآن کریم نے سورہ تحریم میں مومنوں کے اعلیٰ نمونے کی مثال میں دو عورتوں کا ذکر کیا ہے۔ایک فرعون کی بیوی آسیہ اور دوسری حضرت مریم کی مثال دی ہے۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک عورتوں کا کتنا عمدہ اور اعلیٰ مقام ہے۔اس موقعہ پر حضور نے ان آیات کی بڑی پر معارف تفسیر بیان فرمائی۔ آخر میں حضور نے دعا کروائی۔

کھانے کے وقفے کے بعد مسجد بیت الرحمان کے خواتین کے حصے میں حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز سوا آٹھ بجے شام خواتین کے سوالوں کے جواب عطا کرنے کے لئے مجلس عرفان میں تشریف لائے۔ حضور کے جوابات مسجد کے مردانہ حصے میں بھی دیکھے اور سنے گئے۔خواتین و ناصرات نے بڑی سرگرمی سے اس مجلس میں حصہ لیا اور بڑے دلچسپ اور خیال انگیز سوالات کئے جن کے حضور نے بہت عمدگی کے ساتھ جواب عطا فرمائے۔اس کے بعد حضور ایدہ اللہ مسجد کے مردانہ حصے میں تشریف لائے اور مغرب وعشاء کی نمازیں جمع کر کے پڑھائیں۔

تیسرا دن

اگلے دن یعنی اتوار ۲۲ر جون کو جلسہ سالانہ کے آخری دن کے اجلاس کی کارروائی سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی تشریف آوری پر حضور کی زیر صدارت ٹھیک گیارہ بجے شروع ہوئی۔تلاوت قرآن کریم اور نظم معہ انگریزی ترجمہ کے بعد مکرم ڈاکٹر احسان اللہ ظفر صاحب نائب امیر امریکہ نے ایک معزز مہمان جناب یسعیاہ لیگیٹ کا تعارف کرایا اور ان کی خدمات قومی و ملی کی تعریف کی اس کے بعد معزز مہمان نے نہایت محبت بھرے الفاظ میں حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ اور حاضرین جلسہ کا شکریہ ادا کیا۔انہوں نے منٹگمری کاؤنٹی کے شہریوں کی طرف سے حضور کا خیر مقدم کیا۔اس کے بعد گیارہ بج کر پینتیس منٹ پر حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنا اختتامی خطاب شروع فرمایا۔ حضور نے فرمایا اس جلسے کا مقصد جس کا ذکر میں نے گزشتہ سال اپنے اختتامی خطاب میں بھی کیا تھا۔ وہ صرف یہ ہے کہ دنیا میں اسلام کے محبت بھرے اور پر امن پیغام کو پھیلایا جائے اور اس سچائی کے پیغام کو دنیا تک پہنچانا ہر

مسلمان پر فرض ہے۔ آخر ایسا کیوں ہے ؟ قرآن کریم کی جن آیات کی میں نے تلاوت کی ہے ان میں یہی بتایا گیا ہے کہ محبت اور پیار کے ساتھ اپنے رب کی دعوت کو دنیا تک پہنچایا جائے اور نہایت حکمت اور ایسے پر اثر طریق سے دعوت الی اللہ کا کام کیا جائے جو دلوں میں گھر کر جائے۔ حضور نے بڑی تفصیل کے ساتھ بتایا کہ تبلیغ کے سلسلے میں اعداد کی اتنی اہمیت نہیں جتنی تربیت اور اخلاقی اور روحانی اصلاح کی ہے آپ اللہ تعالیٰ کی طرف جب لوگوں کو بلاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی مخلوق لازماً اس پر لبیک کہے گی لیکن یہ اسی صورت میں ہوگا اگر آپ اپنے تصور اسلام کے مطابق نہیں بلکہ قرآنی تعلیم کے مطابق دعوت الی اللہ کا مقدس فریضہ انجام دیں گے اور ان اصولوں کو پیش نظر رکھیں جن کا ذکر قرآن کریم میں کیا گیا ہے۔

حضور نے فرمایا کہ جماعت احمدیہ کی دعوت الی اللہ کا مقصد اگر تعداد بڑھانا ہے اور اخلاقی اور روحانی اصلاح نہیں تو یہ انداز فکر ہمارے لئے قابل قبول نہیں ہے۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم اپنے ماحول اور امریکی سوسائٹی کو خدا تعالیٰ کی طرف اس رنگ میں بلائیں کہ ہم ان کے اخلاق کی اصلاح کر سکیں اور انہیں اللہ تعالیٰ کے قریب لا سکیں۔ حضور نے بڑی تفصیل کے ساتھ ان امور کا ذکر کر کے جماعت کو اس کی ذمہ داریوں کی طرف توجہ دلائی۔ حضور کا یہ ولولہ انگیز خطاب بارہ بج کر ۵۰ منٹ تک جاری رہا۔ اس کے بعد اجتماعی دعا ہوئی اور یہ جلسہ بخیر و خوبی اختتام پذیر ہوا۔

(رپورٹ : آفتاب احمد بسمل)

رحمٰن خدا کے بندے جھوٹ اور لغو سے پرہیز کرتے ہیں

(حضرت امام جماعت احمدیہ الرابع)

وہ لوگ جو رحمٰن خدا کے بندے ہیں ان کی ایک صفت یہ ہے کہ وہ جھوٹ کا مونہہ تک نہیں دیکھتے (۔) اور لغو چیزوں سے ان کا اجتناب دراصل اسی وجہ سے ہوتا ہے کیونکہ لغو جھوٹ ہوتا ہے۔ پس تمام لہو ولعب، جتنی بھی لغو باتیں ہیں بنیادی طور پر چونکہ وہ جھوٹ ہیں اس لئے جھوٹ سے اجتناب کے نتیجے میں لغو سے ان کی دلچسپی از خود کم ہونے لگتی ہے جب کہ دوسروں کی زندگی کا مقصد لغو چیزیں ہیں وہ سرسری نظر سے ان کو دیکھتے ہیں اور کوئی دلچسپی نہیں لیتے (۔) اب یہ جو بیان ہے بہت ہی عظیم بیان ہے کہ جب وہ دلچسپی نہیں لیتے تو حقارت کی نظر سے بھی نہیں دیکھتے، ان لوگوں پر اپنی کوئی برتری بھی نہیں ثابت کرتے، عزت اور بے نیازی کے ساتھ گزر جاتے ہیں۔ یعنی کئی لوگ بعض دفعہ بیٹھے تاش کھیل رہے ہیں، کوئی فضول باتیں اور کر رہے ہیں کہیں جوا چل رہا ہے، (صاحب ایمان) کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہر جگہ کھڑا ہو اور ان سے جھگڑا شروع کر دے اور کہے دیکھو میں تو نہیں کرتا تم ایسا کرتے ہو۔ ان کے جو گزرنے کی طرز ہے وہی پیغام دے دیتی ہے۔ ان کے اندر عزت اور احترام کا ایک مقام ہے جس کو وہ اپنی چال سے ظاہر کرتے ہیں، سرسری نظر ڈالتے ہوئے اس طرح گزرتے ہیں جیسے ان کا ان باتوں سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ پس یہ وہ لوگ ہیں جو جھوٹ سے نفرت کے نتیجے میں از خود اس قسم کی صفات ظاہر کرنے لگتے ہیں ان دونوں چیزوں کا بہت گہرا تعلق ہے۔ جتنا جھوٹ سے تعلق ہوگا اتنا لغو سے تعلق ہوگا۔ جتنا جھوٹ سے بے نیازی ہوگی اتنا لغو سے بے نیازی ہوتی چلی جائے گی اور جب ایک چیز سے بے نیازی ہو تو انسانی فطرت مر تو نہیں جایا کرتی اس کی ضرورت تو اپنی جگہ باقی رہتی ہے۔ انسانی فطرت اس خلاء کو بھرنا چاہتی ہے جو ہر انسان کے دل میں ہے کہ میں کچھ حاصل کروں، تسکین قلب کا سامان ہو۔ (۔) ان کی توجہ لغو سے ہٹتی ہے تو اللہ تعالیٰ کی آیات کی طرف ہوتی ہے محض خالی نہیں ہو جاتے بلکہ بہتر چیز اس کی جگہ لے لیتی ہے۔ اس لئے جب آیات ان پر پڑھی جائیں تو ان کی آنکھیں چمک اٹھتی ہیں، وہ اندھوں اور بہروں کی طرح آیات سے سلوک نہیں کرتے۔ (از خطبہ 14 مارچ 1997ء)

دعوت الی اللہ کرنا ہر احمدی کا فرض ہے

(حضرت امام جماعت احمدیہ الثانی)

اگر کسی گھر یا کسی گاؤں کو آگ لگ جائے تو چند لوگ ہی کیا اسے بجھانے کے لئے دوڑتے ہیں۔ یا کیا اس آگ کا بجھانا صرف مردوں تک ہی محدود ہے؟ نہیں بلکہ سب زن و مرد ہی اس آگ کو بجھاتے ہیں اور سب کے سب اس کام کو کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ ان کا چھوٹے سے چھوٹا بچہ بھی جو کہ اس وقت چیخ رہا ہوتا ہے۔ وہ بھی آگ بجھانے میں مصروف ہوتا ہے۔ کیونکہ اس کی چیخیں بھی کئی آدمیوں کو بلا رہی ہوتی ہیں۔ مگر کیا یہ افسوسناک بات نہیں ہے کہ جس گھر کی حقیقت چند مرلہ زمین اور مالیت چند روپے سے زیادہ نہیں ہوتی۔ اسے اگر آگ لگ جائے تو اس کے بجھانے کے لئے تو کیا عورت اور کیا مرد۔ کیا بچہ اور کیا بوڑھا سارے کے سارے لگ جاتے ہیں لیکن اس دنیا میں جو آگ لگی ہوئی ہے۔ اس کے لئے وہ کوشش نہیں کی جاتی جو ایک معمولی سے گھر کے لئے کی جاتی ہے۔

دوسرے لوگوں کو چھوڑ دو اور اپنی طرف نگاہ کرو اور اس بات کو اچھی طرح یاد رکھو۔ ہمارے ذمے یہ فرض ہے کہ ہم ہر وقت (دعوت الی اللہ) میں لگے رہیں۔ تو بہت سے لوگ ہیں جو یہ کافی سمجھتے ہیں کہ ان کو ہم ایک (مربی) بھیج دیں اور وہ خود کچھ نہ کریں۔ میں نے کبھی کسی گھر کے لوگوں کو یہ کہتے نہیں سنا کہ ادھر تو ان کے گھر کو آگ لگی ہوئی ہو اور ادھر وہ چارپائیوں پر باہر بیٹھے ہوئے ہوں اور افسوس کرتے ہوں کہ محلے والے نہ آئے کہ اس آگ کو بجھایا جاتا۔ بے شک وہ افسوس بھی کرتے ہیں لیکن تب جب وہ خود اس کو بجھانے کی پوری کوشش کر رہے ہوں۔ اور اس کام میں ہمہ تن مصروف ہوں مگر ایسا تو کبھی دیکھنے میں نہیں آیا کہ خود تو ہاتھ پاؤں نہ ہلائیں اور سامنے گھر کو آگ لگ رہی ہو اور وہ جل کر خاک سیاہ ہو رہا ہو اور وہ دوسروں پر گلہ کریں کہ محلے والے ہماری مدد کو نہ آئے۔ محلے والے مدد کو کیا آتے۔ جب وہ خود ہی کچھ نہیں کر رہے۔ تو کسی کو کیا احساس ہو سکتا ہے کہ فی الواقع تمہیں اس سے درد پیدا ہو رہا ہے۔ ایسے لوگ اگر خود کچھ کریں تو ہی لوگوں کو پتہ لگ سکتا ہے کہ ان کو اس آگ لگنے کا درد ہے اور وہ مدد کو آسکتے ہیں لیکن یہ سب خود ہی محسوس نہیں کرتے۔ جب خود ہی انہیں اس آگ کا درد نہیں پیدا ہوتا۔ جب خود ہی اس آگ کو دیکھ کر ہاتھ پاؤں نہیں ہلاتے تو پھر دوسرا اگر مدد کو نہیں پہنچتا تو اس کا گلہ کیا۔ ایسے لوگوں کی مثال تو ان سستوں کی طرح ہے جن کا حال کسی دانا شخص نے لطیفہ کے طور پر بیان کیا ہے۔

کہتے ہیں کہ ایک شخص سپاہی تھا سرکاری کام کے لئے کہیں سفر پر جا رہا تھا۔ سڑک کے پاس سے جو گزرا تو اسے کسی نے آواز دی میاں راہ گزر ذرا ادھر آنا۔ اس پر وہ ادھر ادھر دیکھنے لگا کہ کہاں سے آواز آئی تو اسے ایک جگہ ایک آدمی لیٹا ہوا نظر آیا۔ وہ سپاہی اس آواز پر اس کے پاس پہنچا۔ تو اس آواز دینے والے نے کہا کہ میاں میری چھاتی پر بیر پڑا ہے۔ ذرا اٹھا کر اسے میرے منہ میں ڈال دینا۔ قدرتاً ایسے کاموں میں انسان کو غصہ آجاتا ہے۔ سپاہی کو بھی اس پر غصہ آگیا اور وہ اس پر ناراض ہونے لگا۔ پاس ہی ایک اور شخص لیٹا ہوا تھا وہ بول اٹھا کہ میاں تم ناراض کیوں ہو رہے ہو۔ تمنے اس کی سستی کا ابھی دیکھا ہی کیا ہے یہ تو بڑا ہی بے ہمت شخص ہے۔ ساری رات کتا میرا منہ چاٹتا رہا لیکن اس نے "ہشت" تک نہ کہا۔ اور اسے ہٹایا تک نہیں۔ یہ سن کر وہ سپاہی ان کو چھوڑ کر وہاں سے چل دیا۔ بظاہر یہ لطیفہ ہے لیکن یہ لطیفہ نہیں یہ نکتہ ہے۔ اس سے سبق حاصل کرنا چاہئے اس لطیفہ میں یہ بتایا گیا ہے کہ بعض لوگ ایسے ست ہوتے ہیں کھانا ان کے پاس دھرا ہے لیکن وہ اس انتظار میں ہیں کہ کوئی آئے اور لقمے ان کے منہ میں ڈالے۔ ایسے لوگ دوسروں کو بتاتے ہیں کہ تم آکر بیر ہمارے ہمارے منہ میں ڈال دو۔ اور خود یہ نہیں کرسکتے کہ بیر کو اپنی چھاتی پر سے اٹھا کر منہ میں ڈال لیں۔ کیا یہی مثال ان لوگوں پر چسپاں نہیں ہوتی جو (دعوت الی اللہ) میں مشغول نہیں کہ ان کی بغل میں تو دشمن ہے اور وہ یہاں چٹھی لکھ دیتے ہیں کہ ہمیں (مربی) بھیج دو اور سمجھ لیتے ہیں کہ کوئی آنے جانے والا یہ کام کرلے گا۔ حالانکہ یہ کام ان کا اپنا ہے ان کو چاہئے کہ وہ دشمن کے لئے اپنے آپ کو خود تیار کریں۔ ایسے لوگ اتنا بھی نہیں سوچتے کہ دور سے جانے والا تو ایک ہی دفعہ بیر ان کے منہ میں ڈال سکتا ہے اور ایک ہی ہشت کرکے کتے کو پرے ہٹا سکتا ہے۔ لیکن ہمیشہ ایسا نہیں کر سکتا اور اگر وہ اسی بات پر رہیں گے کہ کوئی اور ہی آئے اور بیر ہمارے منہ میں ڈالے اور ہشت کرکے کتے کو پرے ہٹا دے تو اس کے ایک دفعہ ایسا کرنے کے بعد کون ہوگا جو ان کے لئے ہمیشہ کام کرے گا۔ اسے لطیفہ نہ جانو پس لطیفہ نہیں یہ نکتہ ہے اور نکتہ بھی نکتہ معرفت جو کسی دانا اور عقلمند انسان نے بیان کیا ہے اور لوگوں کی عقل پر سے پردہ اٹھانے کے لئے اچھی تدبیر اختیار کی ہے۔

(از خطبہ 14۔ اگست 1925ء)

آنحضرت ﷺ کی پاکیزہ سیرت

محبت الٰہی کا ایک اہم زینہ -- انفاق فی سبیل اللہ

آنحضرت ﷺ کی پاکیزہ زندگی قرآن کریم کی تعلیمات کی حقیقی تصویر ہے۔ آپؐ نے اپنے افعال و اعمال سے قرآنی تعلیمات کی تفسیر فرمائی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے جب دریافت کیا گیا کہ آنحضرت ﷺ کے اخلاق کیسے تھے۔ تو آپ نے فرمایا کان خلقہ القران (مسند احمد بن حنبل جلد ۶ صفحہ ۲۱۲) آپؐ کے اخلاق وہی تھے جن کا قرآن میں ذکر ہے۔ یعنی آپؐ کا عمل اور قرآن کریم کا بیان ایک ہی ہے۔ خلق عظیم پر فائز وہی ذات اقدس ﷺ ہیں جن سے صفات باری تعالیٰ کا ظہور ہوا اور درحقیقت صفات الہیہ کا ظہور جب آنحضرت ﷺ سے ہوا تو یہی اخلاق کہلائے۔ آنحضرت ﷺ کی عبادات میں حکمت اور انفاق فی سبیل اللہ کا رنگ انہی صفات باری تعالیٰ کا مظہر تھا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ کی محبت کا ایک اہم زینہ انفاق فی سبیل اللہ ہے یعنی اس کی مخلوق جو عیال اللہ کہلاتی ہے' کے ساتھ محبت اور ہمدردی کا سلوک کیا جائے۔ تو یہ عمل یقیناً اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا باعث ٹھہرتا ہے۔ عام دنیا کا بھی یہ قاعدہ ہے کہ اگر کسی کے بچے کو پیار کی نگاہ سے دیکھا ہے اور اس کی تکلیف رفع کر کے آرام پہنچایا جائے تو بچے کے والدین ایسا سلوک کرنے والے شخص سے محبت کرنے لگ جاتے ہیں اور اسے عزت دیتے ہیں۔ تو پھر کیسے ممکن ہے کہ رب کریم جو سب سے بڑھ کر رحم و کرم کرنے والا ہے وہ اپنے بندے پر رحم نہ فرمائے

اللہ تعالیٰ کی رضاو خوشنودی - اور مخلوق سے ہمدردی:-

اللہ تعالیٰ نے مخلوق کے دکھ درد کو دور کرنے کو ایک نیکی ہی قرار نہیں دیا بلکہ اسے اپنی خوشنودی کا موجب قرار دیا ہے۔ انفاق کے بارہ میں ایک سوال پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

"یَسْئَلُوْنَکَ مَاذَا یُنْفِقُوْنَ قُلْ مَآاَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَیْرٍ فَلِلْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسَاکِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَیْرٍ فَاِنَّ اللّٰہَ بِہٖ عَلِیْمٌ" (البقرہ آیت ۲۱۶)

وہ تجھ سے سوال کرتے ہیں کہ کیا خرچ کریں تو کہہ دے کہ جو اچھا مال بھی تم دو وہ تمہارے ماں باپ قریبی رشتہ داروں' یتیموں مسکینوں اور مسافر کا حق ہے اور جو نیک کام بھی تم کرو اللہ اسے یقیناً اچھی طرح جانتا ہے۔ یہاں مسائل کا

مکمل جواب آگیا کہ جو کچھ بھی اچھے مال سے خرچ کرو۔ اول خرچ کرنے کی کوئی حد بندی نہیں جتنے کی توفیق ہو اتنا خرچ کرو۔ دوم:۔ یہ کہ اس امر کا لحاظ رکھو کہ جو خرچ کرو وہ طیب مال ہو خدا تعالیٰ ایسے مال کو قبول کرتا ہے جو حلال کمائی سے ہو۔ سوم:۔ یہ کہ صرف حلال ہی نہیں بلکہ طیب دیتا ہے یعنی جس مال کو قبول کرنا اس شخص پر گراں نہ گزرے جس کو مال دیا جائے۔ خیر کے مال طیب اموال اور بہترین شئے کے ہیں نیز طیب ذرائع سے حاصل کیا گیا ہو۔ مفردات راغب میں ہے۔
لَا يُقَالُ لِلْمَالِ خَيْرٌ حَتّٰى يَكُونَ كَثِيْرًا وَمِنْ مَكَانٍ طَيِّبٍ یعنی مال کو خیر اسی صورت میں کہیں گے جب کہ وہ زیادہ ہو اور پاک ذرائع سے حاصل کیا گیا ہو۔ اس طرح انفاق اموال میں تقویٰ بنیاد ہے۔ صدقہ و خیرات طیب اموال سے اسی صورت میں ہو گی جب اس میں ناجائز اور حرام کمائی کی ذرا سی ملونی اور گندگی نہ پائی جاتی ہو۔ پھر مزید سوال کا جواب تفصیلا دیا کہ جب خرچ کرو تو کہاں کہاں کرو۔ صحیح جگہ خرچ کرنے کی نشان دہی کی اور مستحقین کی تفصیل بیان کی۔ استحقاق اور ضرورت کے پیش نظر والدین، رشتہ دار، یتیم، مسکین اور مسافر کا ذکر کیا گیا۔

رشتہ داروں، مساکین اور غرباء کا حق:۔

قرآن کریم نے رشتہ داروں مساکین اور غرباء کیلئے حسب ضرورت اموال دینے کو ان کا حق قرار دیا ہے۔

چنانچہ فرمایا۔
"وَاٰتِ ذِى الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَ لَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا" (بنی اسرائیل:۲۸) یعنی رشتہ داروں اور مساکین اور مسافروں کو ان کا حق دو اور کسی رنگ میں اسراف نہ کرو۔ یعنی رشتہ دار بہن بھائی عم زاد اور دیگر اہل خاندان اپنی بلاواسطہ یا بالواسطہ مدد اور تعاون، نیک تمناؤں، خواہشات اور دعاؤں سے کاروبار میں اور اموال کے کمانے میں مددگار ثابت ہوتے ہیں جب کہ وہ خود بسا اوقات محروم ہوتے ہیں۔ اسی لئے ان اموال میں حق رکھتے ہیں۔ مساکین اور مسافر بھی کسی کے کاروبار کی ترقی اور حصول اموال میں کسی نہ کسی رنگ میں معین و مددگار ثابت ہوتے ہیں اور ان اموال میں حصہ رکھتے ہیں۔ جسے حق ادا کرنے سے تعبیر کیا گیا ہے۔

مسکین کی تعریف:۔

مسکین عام طور پر نہیں پہچانا جاتا اسے بصیرت اور تقویٰ کی آنکھ دیکھتی ہے۔ ظاہری طور پر ان کی سفید پوشی اور باوقار رہن سہن اور استغناء سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ یہ کھاتے پیتے ہیں۔ دنیا داری کے امور سے ہٹ کر یا اپنے خاص فرائض کا نتیجہ ہوتا ہے کہ وہ سائل بھی نہیں ہوتے۔ مگر وہ محروم ضرور ہوتے ہیں تو یہ وہ لوگ ہیں جو امیروں کے اموال میں حق رکھتے ہیں اور امراء کو صرف احساس دلایا گیا ہے کہ ایسے محروموں کا بھی حق ہے۔ کیونکہ وہ قرآن کریم کے مطابق لَا يَسْـَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا (بقرہ:۲۷۴) لوگوں سے لپٹ لپٹ کر سوال نہیں کرتے۔ آنحضرت ﷺ نے مسکین کی تعریف میں فرمایا کہ مسکین وہ نہیں جسے ایک دو کھجوریں یا ایک لقمہ یا دو لقمے دے دیں فرمایا اِنَّمَا الْمِسْكِيْنُ الَّذِىْ يَتَعَفَّفُ یعنی مسکین وہ ہے جو سوال ہی نہیں کرتا۔ اسی طرح ایک

حدیث میں ہے۔

"لَيْسَ الْمِسْكِيْنُ الَّذِيْ يَطُوْفُ عَلَى النَّاسِ.....وَلٰكِنَّ الْمِسْكِيْنَ الَّذِيْ لَا يَجِدُ غِنًى يُغْنِيْهِ وَلَا يُفْطَنُ بِهٖ فَيُتَصَدَّقَ عَلَيْهِ وَلَا يَقُوْمُ فَيَسْئَلُ النَّاسَ"

بخاری جلد اول کتاب الزکوٰۃ باب قول اللہ عزوجل لا یسئلون الناس الحافا)

یعنی مسکین وہ نہیں جو لوگوں سے گھوم پھر کر مانگتا پھرتا ہے کہ اسے ایک دو لقمے یا ایک دو کھجوریں مل جاتی ہیں۔ بلکہ مسکین وہ ہے جس کے پاس کوئی مال نہ ہو اور نہ لوگوں کو اس کے بارہ میں معلوم ہو کہ وہ اسے صدقہ دیں اور نہ ہی وہ لوگوں سے سوال کر کے اپنی حاجت روائی کرے۔ ایسے افراد مستحق ہیں اور حقدار بھی کہ ان پر اموال خرچ کئے جائیں۔ قرآن کریم میں ایسے احکامات کثرت سے ہیں کہ انسان اپنی تمام صلاحیتوں اور اپنے اموال سے مخلوق خدا کی خدمت کرے۔ خصوصاً بنی نوع انسان سے حسن سلوک کرے۔ اقرباء غرباء مساکین یتامی کی خبر گیری کرے۔ غرباء اور کمزوروں کو اٹھائے ان کا احساس محرومی دور کرے اور ان میں عزت نفس قائم کرے۔ ہمارے آقا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی حیات طیبہ کا یہ پہلو بڑا نمایاں تھا اور آپ ؐ کی رحمت و شفقت ہر موقعہ و محل پر نمایاں نظر آتی ہے۔

انفاق فی سبیل اللہ کیلئے آنحضرت ﷺ کی تحریک و تحریص:۔

آنحضرت ﷺ بنفسہٖ اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرنے کا شوق رکھتے تھے اور اس پر اس قدر عمل تھا کہ آپ ؐ کے پاس کبھی بھی اموال جمع نہ ہوئے۔ آپ ؐ نے صحابہ کرام کو بھی یہی طرز عمل اپنانے کی تحریک فرمائی اور اسے بڑے اجر و ثواب کا موجب قرار دیا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آپ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَا مِنْ يَوْمٍ يُصْبِحُ الْعِبَادُ فِيْهِ اِلَّا مَلَكَانِ يَنْزِلَانِ فَيَقُوْلُ اَحَدُهُمَا۔ اَللّٰهُمَّ اَعْطِ مُنْفِقًا خَلَفًا وَيَقُوْلُ الْاٰخَرُ اَللّٰهُمَّ اَعْطِ مُمْسِكًا تَلَفًا (بخاری کتاب الزکوٰۃ)

ہر صبح دو فرشتے اترتے ہیں ان میں سے ایک کہتا ہے اے اللہ! خرچ کرنے والے سخی کو اور دے اور اس کے نقش قدم پر چلنے والے اور پیدا کر۔ دوسرا کہتا ہے اے اللہ! روک رکھنے والے کنجوس کو ہلاکت دے اور اس کا مال و متاع تلف کر دے۔

(۲)۔ قرآن کریم نے اللہ کے راستے میں خرچ کرنے والے کے اجر کی تشبیہ ایک دانہ سے سات بالیاں اور ہر بالی کے خوشے سے سو سو دانے سے دی ہے۔ اسی مفہوم کی ایک حدیث حضرت خریم بن فاتک رضی اللہ عنہ سے ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَنْ اَنْفَقَ نَفَقَةً فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كُتِبَ لَهٗ سَبْعُمِائَةِ ضِعْفٍ

(ترمذی باب فضل النفقہ فی سبیل اللہ)

یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ کے راستے میں کچھ خرچ کرتا ہے اسے اس کے بدلہ میں سات سو گنا زیادہ ثواب ملتا ہے۔

(۳)۔ اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے خرچ کرنے کو بڑے اجر کا موجب قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ اس بارہ میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے فرمایا:۔

اَنَّکَ لَنْ تُنْفِقَ نَفَقَةً تَبْتَغِیْ بِهَا وَجْهَ اللّٰهِ اِلَّا اُجِرْتَ عَلَیْهَا حَتّٰی مَا تَجْعَلُ فِیْ فَمِ امْرَاَتِکَ (بخاری کتاب الایمان باب انما الاعمال بالنیہ)

یعنی خدا کی خاطر جو کچھ تم خرچ کرو گے اس کا اجر تمہیں ملے گا یہاں تک کہ اگر اس نیت سے اپنی بیوی کے منہ میں بھی ایک لقمہ ڈالو گے تو اس کا اجر بھی ملے گا۔

محبوب ترین چیز خرچ کرنا حقیقی نیکی کا موجب ہے:۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ مدینہ کے انصار میں سب سے زیادہ مالدار تھے۔ ان کے کھجوروں کے باغات تھے جن میں سب سے زیادہ عمدہ باغ بیرحا نامی تھا جو حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو بہت پسند تھا۔ اور مسجد نبویؐ کے سامنے بالکل قریب تھا۔ آنحضرت ﷺ بالعموم اس باغ میں جاتے اور اس کا میٹھا اور عمدہ پانی پیتے جب یہ آیت لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ نازل ہوئی (یعنی تم ہرگز حقیقی نیکی کو نہیں پاسکتے جب تک کہ اپنی محبوب اور پیاری چیز خرچ نہ کرو) تو حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ ! آپؐ پر اس مضمون کی آیت نازل ہوئی ہے اور میری سب سے پیاری جائیداد بیرحا کا باغ ہے۔ میں اسے اللہ تعالیٰ کی راہ میں صدقہ کرتا ہوں اور امید رکھتا ہوں کہ اللہ میری اس نیکی کو قبول کرے گا اور میری آخرت کے ذخیرہ میں شامل کرے گا۔ حضور ﷺ اپنی مرضی کے مطابق اس کو اپنے مصرف میں لائیں اس پر آنحضرت ﷺ کے مبارک الفاظ یہ تھے۔

بَخٍ! ذٰلِکَ مَالٌ رَابِحٌ ذٰلِکَ مَالٌ رَابِحٌ وَقَدْ سَمِعْتُ مَاقُلْتَ وَاِنِّیْ اَرٰی اَنْ تَجْعَلَهَا فِی الْاَقْرَبِیْنَ (بخاری کتاب التفسیر باب لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون)

فرمایا۔ واہ واہ بہت ہی اعلیٰ اور عمدہ مال ہے، بڑا نفع مند ہے اور جو تو نے کہا ہے وہ بھی میں نے سن لیا ہے۔ میری رائے یہ ہے کہ تم یہ باغ اپنے رشتہ داروں کو دے دو۔ روایت میں ہے کہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے وہ باغ اپنے قریبی رشتہ داروں اور عم زادوں میں تقسیم کر دیا۔

سخاوت کرنے والے کیلئے خوشخبری:۔

سخاوت کرنے والا انسان خدا کی نگاہ میں پسندیدہ اور لوگوں کی محبت کا مورد بنتا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے

روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

اَلسَّخِیُّ قَرِیْبٌ مِنَ اللّٰہِ تَعَالٰی قَرِیْبٌ مِنَ النَّاسِ قَرِیْبٌ مِنَ الْجَنَّۃِ بَعِیْدٌ مِنَ النَّارِ وَالْبَخِیْلُ بَعِیْدٌ مِنَ اللّٰہِ تَعَالٰی بَعِیْدٌ مِنَ النَّاسِ بَعِیْدٌ مِنَ الْجَنَّۃِ قَرِیْبٌ مِنَ النَّارِ وَالْجَاہِلُ السَّخِیُّ اَحَبُّ اِلَی اللّٰہِ تَعَالٰی مِنَ الْعَابِدِ الْبَخِیْلِ

(تفسیر یہ الجود والسخا صفحہ ۱۲۲)

یعنی سخی اللہ کے قریب ہوتا ہے' لوگوں سے قریب ہوتا ہے' جنت کے قریب ہوتا اور دوزخ سے دور ہوتا ہے۔ جب کہ بخیل اللہ تعالیٰ سے دور ہوتا ہے' لوگوں سے دور ہوتا ہے' جنت سے دور ہوتا ہے لیکن دوزخ کے قریب ہوتا ہے۔ ایک ان پڑھ سخی بخیل عابد سے اللہ تعالیٰ کو زیادہ محبوب ہے۔ آنحضرت ﷺ نے معمولی صدقہ کو بھی بڑی اہمیت دی ہے۔ چنانچہ حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

"اِتَّقُوْا النَّارَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَۃٍ" (بخاری کتاب الزکوۃ)

یعنی آگ سے بچو خواہ کھجور کے کچھ حصہ کا صدقہ خرچ کرنے ہو۔

آنحضرت ﷺ کا اسوہ حسنہ:۔

آنحضرت ﷺ کا اللہ تعالیٰ کی راہ میں صدقہ و خیرات کا عجیب رنگ تھا۔ آپؐ کے پاس بہت اموال آتے مگر آپؐ انہیں بے دریغ خرچ کرتے۔ رمضان کے مہینہ میں تو یوں لگتا تھا کہ صدقہ و خیرات کی باد صبا بارش سے لدی ہوئی چل رہی ہے۔

آپؐ کے اسوہ مبارکہ میں بہت سارے واقعات ایسے ہیں جو آپ کے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کے ذوق و شوق کو ظاہر کرتے ہیں۔

(۱)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے سوال کیا کہ کچھ عطا فرمادیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس وقت دینے کیلئے میرے پاس کچھ نہیں ہے لیکن میری طرف سے اپنی ضرورت کی چیز ادھار خرید لو یہ تیرا مجھ قرض رہا جب کوئی مال میرے پاس آئے گا تو میں ادا کر دوں گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ آپؐ اسے دے چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے وہ ذمہ داری آپ پر نہیں ڈالی جو آپؐ کے بس میں نہیں۔ حضور ﷺ نے حضرت عمرؓ کی اس بات کو ناپسند فرمایا۔ اتنے میں ایک انصاری کہنے لگے یا رسول اللہ ﷺ خوب خرچ کریں اور عرش والے خدا کے بارہ میں یہ کبھی نہ سوچیں کہ وہ آپؐ کا ہاتھ تنگ رکھے

گا۔ آپؐ کی خوشی کی کیفیت کو راوی یوں بیان کرتے ہیں

فَتَبَسَّمَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَ عُرِفَ الْبِشْرُفِی وَجْھِہٖ لِقَوْلِ الْاِنْصَارِیْ ثُمَّ قَالَ بِھٰذَا اُمِرْتُ

(شمائل الترمذی باب ماجاء فی خلق رسول اللہ ﷺ)

آنحضرت ﷺ کا چہرہ مبارک انصاری کے قول سے خوشی سے کھل گیا اور مسکرا کر فرمایا کہ مجھے اسی انداز فکر کا حکم دیا گیا ہے۔

(۲)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ ہم آنحضرت ﷺ کے ہمرکاب تھے ایک شخص سواری پر آیا اور دائیں بائیں دیکھنے لگا بڑا ضرورت مند نظر آتا تھا اس پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا:۔

"مَنْ کَانَ مَعَہٗ فَضْلُ ظَھْرٍ فَلْیَعُدْبِہٖ عَلٰی مَنْ لَا ظَھْرَلَہٗ وَمَنْ کَانَ لَہٗ فَضْلٌ مِنْ زَادٍ فَلْیَعُدْبِہٖ عَلَی مَنْ لَا زَادَ لَہٗ فَذَکَرَ مِنْ اَصْنَافِ الْمَالِ وَمَا ذَکَرَحَتّٰی رَائِنَا اَنَّہٗ لَا حَقَّ لِاَحَدٍ مِنَّا فِیْ فَضْلٍ (مسلم کتاب اللقطہ باب استحباب المواساۃ)

یعنی جس کے پاس زائد سواری ہو اسے دے دے جس کے پاس سواری نہیں جس کے پاس زائد خوراک ہے وہ اسے دے دے جس کے پاس کوئی زاد راہ نہیں۔ آپ نے اسی طرح مال کی مختلف اقسام کا ذکر فرمایا۔ یہاں تک کہ ہم سمجھنے لگے کہ شاید ضرورت سے زیادہ اموال میں کسی کا کوئی ذاتی حق ہی نہیں اور اسے چاہئے کہ وہ اس زائد مال کو خدا کی راہ میں خرچ کرنے پر ہمیشہ تیار رہے۔

(۳)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک روایت کے مطابق تو آنحضرت ﷺ نے جو کچھ تو خدا تعالیٰ کی راہ میں خرچ ہوا اسے اندوختہ آخرت قرار دیا۔ آپ فرماتی ہیں۔

"اَنَّھُمْ ذَبَحُوْا شَاۃً فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: مَابَقِیَ مِنْھَا اِلَّا کَتِفُھَا قَالَ بَقِیَ کُلُّھَا غَیْرَ کَتِفِھَا (ترمذی ابواب صفۃ القیامہ الترغیب والترھیب)

یعنی آپؐ نے ایک بکری ذبح کروائی (اور اس کا گوشت غرباء میں تقسیم کیا اور کچھ گھر میں کھانے کیلئے رکھ لیا) آنحضرت ﷺ نے دریافت فرمایا کہ کس قدر گوشت بچ گیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا دستی بچی ہے۔ یہ سن کر حضور

ﷺ نے فرمایا سارا گوشت بچ گیا ہے سوائے اس دستی کے۔ یعنی جس قدر تقسیم کیا گیا وہ ثواب ملنے کی وجہ سے بچ گیا ہے اور جو بچا کر خود کھانے کیلئے رکھا ہو چونکہ اس کا ثواب نہیں ملے گا اس لئے حقیقت میں وہ نہیں بچا۔ اسی طرح ایک اور واقعہ ہے کہ سر شام کوئی سوالی آنحضرت ﷺ کے پاس آیا اور کچھ مانگا آپؐ نے گھر میں معلوم کیا تو ایک درہم موجود تھا۔ آپؐ نے وہ درہم لا کر سوالی کو دے دیا۔

(۴)

آنحضرت ﷺ نے ضرورت مند کی ضرورت پورا کرنے کو اللہ تعالیٰ کی رضا و محبت کا موجب قرار دیا کیونکہ اللہ تعالیٰ کے بندوں کی ضرورت کو پورا کرنا گویا اللہ تعالیٰ کی ضرورت کو پورا کرنا ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ عَزَّ وَجَلَّ یَقُوْلُ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ یَا ابْنَ اٰدَمَ مَرِضْتُ فَلَمْ تَعُدْنِیْ قَالَ یَا رَبِّ کَیْفَ اَعُوْدُکَ وَاَنْتَ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ قَالَ مَا عَلِمْتَ اَنَّ عَبْدِیْ فُلَانًا مَرِضَ فَلَمْ تَعُدْہُ اَمَا عَلِمْتَ اَنَّکَ لَوْ عُدْتَہٗ لَوَجَدْتَنِیْ عِنْدَہٗ یَا ابْنَ اٰدَمَ اِسْتَطْعَمْتُکَ فَلَمْ تُطْعِمْنِیْ قَالَ یَا رَبِّ کَیْفَ اُطْعِمُکَ وَاَنْتَ رَبُّ الْعَالَمِیْنَ قَالَ اَمَا عَلِمْتَ اَنَّہٗ اسْتَطْعَمُکَ عَبْدِیْ فُلَانٌ فَلَمْ تُطْعِمْہُ اَمَا عَلِمْتَ اَنَّکَ لَوْ اَطْعَمْتَہٗ لَوَجَدْتَ ذٰلِکَ عِنْدِیْ۔ یَا ابْنَ اٰدَمَ اسْتَسْقَیْتُکَ فَلَمْ تَسْقِنِیْ قَالَ یَا رَبِّ کَیْفَ اَسْقِیْکَ وَاَنْتَ رَبُّ الْعَالَمِیْنَ قَالَ اسْتَسْقَاکَ عَبْدِیْ فُلَانٌ فَلَمْ تَسْقِہٖ اَمَا اَنَّکَ لَوْ اسْتَسْقَیْتَہٗ وَجَدْتَ ذٰلِکَ عِنْدِیْ

(مسلم کتاب البر والصلہ والاٰداب فی فضل عیادہ المریض)

اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائے گا اے آدم کے بیٹے! میں بیمار ہوا تو نے میری خبر نہ لی وہ کہے گا اے میرے رب! میں تیری کیونکر خبر لیتا تو تو رب ہے سارے جہان کا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا تجھ کو معلوم نہیں میرا فلاں بندہ بیمار ہوا تھا تو نے اس کی خبر نہ لی اگر تو اس کی خبر لیتا تو مجھ کو اس کے نزدیک پاتا۔ اے آدم کے بیٹے! میں نے تجھ سے کھانا مانگا تو نے مجھے کھانا نہ دیا وہ کہے گا اے پروردگار میں تجھے کیسے کھانا کھلاتا تو تو سارے جہان کا مالک ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیا تو نہیں جانتا میرے فلاں بندہ نے تجھ سے کھانا مانگا تو نے اس کو نہ کھلایا۔ اگر تو اس کو کھلاتا تو اس کا ثواب میرے پاس پاتا۔ اے ابن آدم میں نے تجھ سے پانی مانگا تو نے مجھ کو پانی نہ پلایا بندہ کہے گا میں تجھے کیونکر پلاتا تو رب العالمین ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا میرے فلاں بندہ نے تجھ سے پانی مانگا تو نے اس کو نہیں پلایا اگر اس کو پلاتا تو اس کا اجر میرے پاس پاتا۔

اس حدیث سے واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں سے حسن سلوک' ان کی خبر گیری اور ضرورت کو پورا کرنے کی کتنی

اہمیت ہے۔ ان کی خبر گیری کو خدا تعالٰی نے اپنی خبر گیری قرار دیا اور اس کا اپنے پاس اجر و ثواب رکھا ہے۔ نیکی کی اس ترغیب سے اللہ تعالٰی کے راستے میں اموال کے خرچ کرنے کا جو شوق حضور اقدس ﷺ کے دل میں موجزن تھا اس کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے جس طور پر مخلوق خدا کی ہمدردی اور بنی نوع انسان کے لئے خرچ کرنے کی ہدایات دی ہیں اس کا ذکر قرآن کریم میں بڑی صراحت سے کیا گیا ہے۔ تزکیہ اموال اور انفاق فی سبیل اللہ کا جو منشور آپ نے پیش فرمایا اس کا بنیادی مقصد ہر قسم کے دکھ اور تکلیف سے مبرا خوشحال تمدن اور معاشرہ قائم ہوا جیسا کہ اس کا نقشہ قرآن کریم میں پیش کیا گیا ہے۔

"اِنَّ لَکَ اَلَّا تَجُوْعَ فِیْھَا وَلَا تَعْرٰی - وَاَنَّکَ لَا تَظْمَؤُا فِیْھَا وَلَا تَضْحٰی"

(طٰہٰ:۱۱۹-۱۲۰)

یعنی ہم نے تمہارے لئے (ایسی) جنت میں رکھے جانے کا فیصلہ کیا ہے تم اس میں بھوکے نہیں رہو گے نہ تم اس میں ننگے رہو گے اور نہ پیاسے اور نہ دھوپ میں رہو گے۔ گویا جو نقشہ حضرت اقدس محمد مصطفٰی ﷺ کی تعلیمات کے نتیجہ میں تیار ہوگا اس کے مطابق کھانا، لباس، پانی اور مکان کا انتظام ہوگا۔ پس حضرت اقدس محمد مصطفٰی ﷺ کے اسوہ اور آپ کی تعلیمات سے مخلوق خدا اور بنی نوع انسان کی ہمدردی نظر آتی ہوتی ہے۔ اور اسی میں محبت الٰہی کا راز پنہاں ہے اور یہی وہ محبت ہے جو ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہوئی۔

بقیہ صفحہ ۲۷

ایمنسٹی انٹرنیشنل حکومت پاکستان سے مطالبہ کرتی ہے کہ وہ اس بات کا یقین دلائے کہ توہین رسالت کے قانون کے غلط استعمال کی وجہ سے تو ضمیر کے قیدی نہیں بنائے جا رہے نیز یہ کہ کسی شخص کو اس قانون کے تحت موت کی سزا تو نہیں دی جا رہی۔

ایمنسٹی انٹرنیشنل تمام ایسے ضمیر کے قیدیوں کی فوری اور غیر مشروط رہائی کا مطالبہ کرتی ہے جن کو صرف ان کے مذہبی حقوق کی ادائیگی کی وجہ سے قیدی بنایا گیا۔ نیز ایسے توہین رسالت کے الزامات جو کسی عقیدہ کی بنا پر لگائے گئے ہوں فوری طور پر واپس لئے جائیں۔

نیز مذہبی اقلیتوں کے خلاف تشدد کے واقعات میں حکومت کی شراکت کو ختم کر کے اقلیتوں کی مکمل حفاظت کا بندوبست کرے۔ اسی طرح حکومت پاکستان اس بات کا بھی یقین دلائے کہ تشدد کے ضمن میں تمام شکایات بشمول مذہبی بنا پر قتل کے واقعات کی پوری پوری تحقیق کرے گی اور مجرموں کو قرار واقعی سزا دلائے گی۔

(اردو میں خلاصہ مرتبہ: رشید احمد چوہدری)

جماعت احمدیہ کی ترقی کے چند اعداد و شمار

جو حضور ایدہ اللہ تعالٰی بنصرہ العزیز نے اس سال جلسہ سالانہ میں بتائے

اس سال نئی بیعتیں تیس لاکھ چار ہزار پانچ سو چراسی
30,04,584 جنہیں سے 16,70,000 فرنچ زبان بولنے والے ہیں

اس سال 915 مسجدوں کا اضافہ ہوا
106 بنائی گئیں اور 809 نمازیوں سمیت احمدیت کو ملیں

1984 سے اب تک 5045 مساجد کا اضافہ ہوا
809 بنائی گئیں اور 4236 نمازیوں سمیت احمدیت کو ملیں

انکے مقابل پر پاکستان میں 1984 سے 30-40 مساجد چھین گئیں
خدا تعالٰی نے اپنے فضل سے اسکے مقابل پر 5045 مساجد عطا کیں
فالحمد للہ

مجلس سوال وجواب

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے ساتھ اردو بولنے والے احباب جماعت کی ملاقات مورخہ ۲۷ر دسمبر ۱۹۹۶ء میں جو دلچسپ سوال وجواب ہوئے ان میں سے بعض ذیل میں افادہ احباب کے لئے ادارہ الفضل اپنی ذمہ داری پر پیش کرتا ہے۔ اسے مکرم یوسف سلیم ملک صاحب (ربوہ) نے کیسٹ سے سن کر مرتب کیا ہے۔ فجزاہ اللہ احسن الجزاء (مدیر)

توبہ کی حقیقت

اگر انسان بار بار توبہ کے باوجود غلطی کرتا ہے تو اسلام میں اس کی کیا سزا ہے حضور ایدہ اللہ نے اس سوال کا جواب دیتے ہوئے فرمایا جب بھی غلطی پکڑی جائے گی اس وقت سزا ہوگی۔ انسان کی پرانی توباؤں کی بحث نہیں چھیڑے گا۔ جب غلطی پکڑی جائے گی اس وقت سزاوار ہو جائے گا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا قانون بہت وسیع اور باریک ہے۔ وہ انسان کے دل کی پاتال تک نظر رکھتا ہے۔ اور اگر خدا تعالیٰ کے نزدیک اسکی ہر توبہ بھی یقینی اور سچی ہو اور ہر ٹھوکر بے اختیاری کی ہو تو خدا کی مرضی ہے وہ معاف کر سکتا ہے۔ کوئی انسانی قانون اور فتویٰ اس پر لاگو نہیں ہو سکتا۔

آنحضرت ﷺ کی مختلف احادیث سے ثابت ہے کہ بعض گناہگار بار بار گناہ کے کرنے کے باوجود بخشے گئے بعض نیک لوگ ایک غلطی پر ہی پکڑے گئے۔ اب اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ ان کی غلطی کس Defiance کے نتیجہ میں تھی۔ کس ناشکری کے نتیجہ میں تھی اور گناہ گاروں کی غلطیاں کن بے اختیاریوں کی وجہ سے تھیں۔ پس اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی فیصلہ نہیں کر سکتا۔

خلیفہ وقت کن معنوں میں معصوم ہوتا ہے؟

ہر احمدی کا یہ ایمان ہے کہ خلیفہ وقت جو فیصلہ فرماتے ہیں وہ صحیح ہوتا ہے حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے سوال کرنے والے کو فوراً ٹوکا اور فرمایا یہ آپ کو کس نے بتایا ہے۔ یہ ضروری نہیں۔ معصوم عن الخطاء صرف رسول اللہ ﷺ ہیں اور پھر درجہ بدرجہ دیگر انبیاء ہیں۔ آنحضرت ﷺ خود فرماتے ہیں اگر میں تمہارے قضائی فیصلوں میں کوئی ایسا فیصلہ کروں جو کسی کی چرب زبانی کی وجہ سے اس کے حق میں ہو گیا ہو۔ اب دیکھیں رسول اللہ ﷺ اپنے متعلق یہ وضاحت فرما رہے ہیں جو سب سے زیادہ معصوم عن الخطاء تھے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں تو پھر بھی فیصلہ مانو لیکن جس کے حق میں غلط فیصلہ ہوا ہے اس کا فرض ہے کہ وہ اس ناجائز بات کو چھوڑ دے ورنہ جہنم کا ٹکڑا کھائے گا۔ اتنی عظیم الشان اور پر حکمت وضاحت کے بعد اگر کسی کا یہ عقیدہ ہو کہ خلیفہ وقت کوئی غلطی نہیں کر سکتا تو یہ عقیدہ غلط ہے۔ اس کی وضاحت ہونی چاہئے۔

ایک چیز یہی ہے جس کے متعلق حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے بڑا کھل کر بیان فرمایا ہے کہ خلیفہ وقت غلطی تو کر سکتا ہے مگر قومی فیصلوں میں جو اس کے فرائض منصبی سے تعلق رکھتے ہیں ان میں غلطی سے اللہ اس کو بچاتا ہے اور اگر غلطی کر بھی بیٹھے تو اس کا ازالہ فرما دیتا ہے۔ یہ ایک بالکل الگ مضمون ہے یعنی خلیفہ وقت اپنے جماعتی فیصلوں میں تو خدا تعالیٰ کی حفاظت میں ہے اور بالعموم اس سے غلطی سرزد نہیں ہو سکتی۔ مگر معصوم ان معنوں میں نہیں ہے جس طرح نبی معصوم ہوتا ہے۔ اور اگر وہ غلط فیصلہ کر بیٹھے دیانت داری کے ساتھ اور ایسا ہی ہوگا ہمیشہ تو پھر خدا تعالیٰ اس کے ازالہ کے سامان کر دیتا ہے۔ اور جماعت کو اس کا نقصان نہیں پہنچنے دے گا۔ کیونکہ اس نے معصومیت میں جماعتی فیصلوں میں اللہ کے حکم سے اطاعت کی۔ یہ ہے آخری قطعی صورت جس کو ہم نے بارہا دیکھا ہے۔ کبھی بھی اس کے خلاف بات نہیں ہوئی۔

معروف فیصلہ سے مراد

سائل نے عرض کیا خدام الاحمدیہ کے عہد میں معروف کا جو لفظ ہے اس سے کیا مراد ہے۔ حضور انور نے فرمایا یہ تو بہت پرانا سوال ہے۔ عہد میں معروف کا جو لفظ ہے وہ قرآن میں جہاں عورتوں کی بیعت کا ذکر ہے وہاں بیعت کے الفاظ یہ ہیں کہ تم یہ اقرار کرو کہ معروف میں نبی کی اطاعت سے باہر نہیں جاؤ گی۔ پس یہ سوال خلافت کے حوالہ کی بجائے نبوت کے حوالہ سے اٹھایا جانا چاہئے۔ جب رسول کریم ﷺ کے حوالہ سے یہ سوال اٹھائیں گے تو آپ بتائیں پھر کیا سوال بنے گا۔ انہوں نے عرض کیا پھر تو یہاں معروف کا لفظ نہیں آنا چاہئے۔ حضور نے فرمایا قرآن میں نہیں آنا چاہئے؟ یہی تو مزہ کی بات ہے اگر خدا کے بندوں کے مشورہ سے قرآن بنتا یعنی رسول اللہ ﷺ کے متعلق کہا جاتا ہے تو پھر یہ بن جاتا کہ خود انہوں نے بنایا ہے کہ معروف کا لفظ نہیں آنا چاہئے۔ اس کو یہاں سے ہٹا دو۔

جہاں تک معروف فیصلے کی اطاعت کا تعلق ہے یہ وہ اطاعت ہے جو قرآنی فرائض اور احکام اور سنت کے فرائض اور احکام کے علاوہ عام باتوں میں کی جاتی ہے جس میں براہ راست انسان کسی چیز کا پابند نہ ہو۔ اب یہ نفلی اطاعت ہے یعنی نفلی دائرہ کے معاملات میں اطاعت ہے نہ کہ فرائض کے معاملہ میں۔ فرائض کے معاملہ میں تو خلیفہ وقت اللہ کے حکم کو نافذ کرتا ہے جو رسول اللہ نے نافذ فرمایا اور اس میں کسی شرط کی بحث ہی کوئی نہیں۔ لازماً اس کی پابندی ہوگی معروف میں بھی نافرمانی نہیں کریں گے۔

معروف سے مراد یہ ہے کہ جن باتوں میں اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر حکم نہیں دیا لیکن اچھی باتیں ہیں اور ان میں اگر آپ حکم دیں گے تو پھر ہم ان میں بھی نافرمانی نہیں کریں گے۔ چنانچہ حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے تحریک جدید کے تعلق میں بہت سے ایسے قوانین جاری کئے جو شرعاً انسان کو پابند نہیں کر سکتے مگر ساری جماعت نے پابندی کی۔ یہ معروف کی پابندی ہے۔ شریعت کے خلاف نہیں بلکہ شریعت کی تائید میں زوائد جو عرف عام میں اچھی باتیں ہیں ان کی سند عالمی سند ہے عرف عام کی بحث ہے تبھی معروف کہلاتی ہیں۔ تمام ایسی باتیں جو اچھی ہیں خواہ شریعت نے ان کا حکم دیا ہو یا نہ دیا ہو اگر ہمیں ان کا پابند کیا جائے تو ہم ان کے بھی پابند ہو جائیں گے۔ پس اس کی اطاعت کی جو اتھارٹی ہے اس کا جو منصب ہے اس کو کم کرنے کی بجائے معروف کا لفظ اس کو اونچا کر رہا ہے۔ انہی معنوں میں حضرت رسول اللہ ﷺ نے بیعت لی تھی، انہی معنوں میں آئندہ یہ بیعت چلتی ہے۔

وقف جدید کا اجراء اور حضرت مصلح موعودؓ کی ایک خواہش

وقف جدید کے بارہ میں ایک سوال پیش ہوا کہ حضرت مصلح موعودؓ نے جب پہلی بار یہ تحریک فرمائی اور خطبہ جمعہ ارشاد فرمایا تو اس وقت سے یہ تاثر چلا آرہا ہے کہ حضورؓ نے فرمایا تھا کہ جو معلین ہونگے وقف کریں گے ان کا براہ راست میرے ساتھ رابطہ ہوگا۔ اور وہ میری ہدایت پر کام کریں گے۔ اور دور دراز ممالک میں دیہاتوں اور جنگلوں میں ایک خدا رسیدہ انسان بنیں گے۔ حضور ایدہ اللہ نے فرمایا وقف جدید کی تحریک ۱۹۵۷ء کے آخر میں ہوئی تھی اسکے بعد حضرت مصلح موعود چند سال زندہ رہے۔ آپ نے کیوں ایسا نہیں کیا جو آپ کہہ رہے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ جب ایک تحریک چلائی جاتی ہے تو آغاز میں عام نگرانی سے بڑھ کر نگرانی کی ضرورت پڑتی ہے۔ اور براہ راست نگرانی اس لئے ضروری ہے تا کہ جماعت میں وہ تحریک اس طرح متعارف ہو جائے جس طرح خلیفہ وقت متعارف کرانا چاہتا ہے۔ وہ اپنی خواہش اور توقعات کے مطابق جماعت کے سامنے اس تحریک کو چلائے اور لوگوں کو دکھائے کہ یہ کام اس طرح ہونا چاہئے۔

حضرت مصلح موعودؓ نے شروع میں وقف جدید میں اس حد تک تو دلچسپی لی کہ جب یہ تحریک شروع ہوئی ہے تو اس وقت با قاعدہ تفصیل سے اس کی رپورٹیں منگوایا کرتے تھے اور بعض دفعہ براہ راست معلین کو بھی ہدایات پہنچا دیا کرتے تھے یعنی معلین ملنے کے لئے آئے ہیں تو کوئی ہدایت جاری فرمادی اور معلین نے پھر آگے مرکز کو بتادیا کہ حضرت مصلح موعود کی طرف سے یہ ہدایت آئی ہے تو اس سے زیادہ بوجھ اٹھانا آپ کے لئے ناممکن تھا۔ اس لئے یہ خیال کر لینا کہ وقف جدید کا سارا چارج براہ راست سنبھال لیا ہو یہ کبھی نہیں ہوا۔ اور جب نہیں ہوا تو اس خطبہ کے تاثرات کے متعلق دو باتوں میں سے ایک ہے یا تو خواہش تھی مگر مجبوری سے پوری نہیں ہو سکی یا اس خواہش کا یہ مطلب نہیں تھا کہ ناظم وقف جدید کی طرح خود سارے کام سنبھال لیں بلکہ نسبتاً زیادہ نگرانی کا ادعا تھا۔ ایک خواہش تھی جسے جس حد تک ہو سکا آپ نے پورا کیا۔

اولیاء بنانا اللہ کا کام ہے

باقی ولی اللہ بنانا تو کسی کا کام نہیں ہے سوائے اللہ کے۔ البتہ ولی اللہ بنانے کی کوشش کرنا یہ کام جاری رہتا ہے۔ مگر ولی خدا ہی بناتا ہے۔ آپ کسی کو ولی اللہ بنا کر پیش نہیں کر سکتے۔ ان واقفین میں سے جو ہمارے پاس آئے کئی ایسے تھے جن کے متعلق جہاں تک انسانی علم کام کرتا ہے انسان کہہ سکتا ہے کہ ولی اللہ ہیں۔ ان کا وقف ہو جانا، ان کا بے لوث میدان عمل میں چلے جانا، ان کا دعائیں کرنا، ان کی نیکی کی وجہ سے ان کی کوششوں کو غیر معمولی پھل لگنا۔ اور ان کی دعاؤں کے پورا ہونے کا میں بھی گواہ ہوں کہ کس طرح خدا تعالیٰ کے فضل سے بعضوں کو کشوف بھی ہوئے اور وہ پورے ہوئے۔ بعضوں کو سچی رؤیا آتی تھیں۔

پس یہ نہیں کہ یہ تحریک خدا رسیدہ وجودوں سے خالی تھی مگر وقف کے شوق میں بہت سے نوجوان آئے جو ٹھہر بھی نہیں سکے، عہد بھی پورا نہ کر سکے اور بکھر گئے۔ بعض وقف زندگی کا بوجھ نہیں اٹھا سکے اور بعض جیسے بھی تھے آخر تک وفاداری سے قائم رہے۔ پس ان کے مرتبے اللہ کے پاس ہیں۔ مگر ولی اللہ کا جو تصور حضرت مصلح موعودؓ نے پیش فرمایا تھا وہ پوری طرح اس تحریک کے ہر فرد اور ہر ممبر پر صادق نہیں آتا۔ میرے علم میں کبھی ایسا نہیں ہوا بلکہ جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے کئی نفس کے بیمار تھے جو شریر کے طور پر باہر نکالے گئے وہ اولیاء اللہ کیسے بن سکتے تھے۔ اولیاء اللہ تو آپ بنا ہی نہیں سکتے۔ اولیاء اللہ بنانا اللہ کا کام ہے۔ خلیفہ وقت کا اتنا کام ہے کہ تحریک کرے اور توجہ دلائے۔ وقف جدید کا کام تھا کہ ان کی نیکی اور تقویٰ پر نظر رکھے بجائے اس کے کہ صرف ظاہری علم پر زور دے۔

نابالغ بچوں کی مجرمانہ حرکتوں پر مواخذہ

آج کل مغربی ممالک میں نابالغ بچوں میں جرائم کا رجحان بڑھتا جارہا ہے اور کم عمری کی وجہ سے یہاں کی عدالتیں انہیں سزا نہیں دے سکتیں۔ اس سلسلہ میں اسلام کی کیا تعلیم ہے۔

حضور ایدہ اللہ نے فرمایا اسلام نے تو بڑے واضح طور پر اس کی ذمہ داری ماں باپ پر ڈالی ہے کہ وہ اپنی اولاد کی تربیت کریں اور ان کی عدم تربیت کے نقصانات نہ صرف اس دنیا میں ان کو پہنچیں گے بلکہ آخرت میں بھی پہنچیں گے۔ اور وہ جوابدہ ہونگے۔ پس اس سے زیادہ ذمہ داری اور کیا ہو سکتی ہے۔

پس بچہ اگر شرارت کرے گا تو جس حد تک وہ اس شرارت کا ذمہ دار ٹھہرایا جاسکتا ہے سزا سے مبرا نہیں اور نہ انسانی فطرت ایسا کرنے کی اجازت دیتی ہے۔ کیا کبھی یہ ہوا ہے کہ کوئی بچہ قانونی لحاظ سے بلوغت کو نہیں پہنچا اگر گھر میں کسی کی آنکھ پھوڑ دے، کسی کا ناک کاٹ لے اور چیزیں توڑتا پھرے اور ماں باپ کہیں کہ دیکھو یہ تو ابھی بلوغت کو نہیں پہنچا۔ یہ فطرت کے تقاضے ہیں کہ جب کوئی بچہ شرارت کرتا ہے تو اگر وہ پیار اور معافی سے ٹھیک ہو سکتا ہے تو وہی بہتر ہے لیکن باز نہیں آتا تو اس کے کان کھینچنے پڑتے ہیں۔ مگر اس حد تک نہیں کہ کان ہی اکھیڑ دیں۔ پس اسلامی تعلیم توازن کی تعلیم ہے۔

ہومیوپیتھی طریقہ علاج کا فلسفہ

ہومیوپیتھی طریقہ علاج خدا کے فضل سے بڑا مؤثر اور شہرت پذیر ہے۔ ایلوپیتھی کی بجائے ہومیوپیتھی سے جلد شفا ہو جاتی ہے۔ حضور انور نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا ایلوپیتھی کے بغیر جن کو بھی شفا ہوتی ہے بہت بہتر ہوتی ہے بغیر کسی تکلیف کے اور لمبے عرصہ تک بیماری کے چلنے اور بار بار حملے کے مریض ٹھیک ہو جاتے ہیں۔ میرے پاس کئی بچے آئے ہیں جن کی ماؤں نے بتایا کہ اینٹی بائیوٹک دیتے ہیں۔ جب بخار ٹوٹ جاتا ہے تو ہفتہ کے بعد دوبارہ ہو جاتا ہے۔ پھر گلا خراب پھر مصیبت تو یہ جو سلسلہ ہے یہ ختم ہونے میں آتا ہی نہیں لیکن ہومیوپیتھک دوا سے اگر شفا ہو تو کیونکہ جسم نے از خود ردعمل کر کے ایک کامیاب مقابلہ کیا ہے تو اسکی وجہ سے اس کے اندر ایک نفسیاتی توانائی آجاتی ہے۔ اور اسی قسم کے اگلے حملہ کو وہ آسانی سے قابو کر لیتا ہے۔

پس یہ جو ہومیوپیتھی کا فلسفہ ہے یہ تسلیم شدہ ایلوپیتھک فلسفہ بھی ہے۔ اور سائنسی لحاظ سے ثابت شدہ ہے۔

چنانچہ انسانی جسم میں دفاع کا جو نظام ہے اس میں کہتے ہیں کہ پہلی دفعہ اگر ایک مرض کے مقابلہ کے لئے جسم کو چودہ دن چاہئیں تو اگر وہ ایک دفعہ مقابلہ پر آمادہ ہو جائے یا اس کی توجہ ہو جائے بیماری کی طرف اور کامیابی سے اس پر قابو پالے تو اگلی دفعہ جب وہ بیماری حملہ کرے گی تو ۲۴ گھنٹے کے اندر جسم وہ تیاری کر لے گا جس پر چودہ دن لگے تھے۔ پس یہ وہ اصول ہے جو اس فلو پر بھی کار فرما ہے جس کا آپ ذکر کر رہے ہیں۔ اگر جسم کو مقابلہ کی طاقت کا اعتماد حاصل نہ ہو، طاقت ہو بھی لیکن اس پر اعتماد نہ ہو اور اس کا پھل اس نے خود دیکھا نہ ہو تو پھر وہ جو اس کی دفاعی طاقت ہے وہ اسی طرح سوئی رہے گی جس طرح پہلے سوئی ہوئی تھی۔ اور اس مدد کے بغیر جو بیرونی

مدد ہے وہ طاقت از خود بیماری پر قابو نہیں پا سکتی۔ نہ چوبیس گھنٹے میں نہ چودہ دن میں۔ لازماً بیرونی مدد کی اس کو عادت پڑ جائے گی اور دفاعی طاقتیں کمزور ہو جائیں گی۔

پس یہ ہے وہ اصول جس کے میں نے دیکھا ہے بہت سے ایسے احمدی خاندان جو پہلے انٹی بائیوٹک کی طرف دوڑا کرتے تھے ان میں بھاری اکثریت ہے جو اپنا علاج خود کرنے کی اب طاقت پا گئی ہے جو ہمارے لیکچرز سنتے ہیں جنہوں نے کتابیں لی ہیں اور ان سب کی رپورٹ یہ ہے کہ کچھ غلطیوں کے بعد چونکہ ابھی تجربہ نہیں جب وہ صحیح دوائیں دیں تو بالکل بیماری غائب اور پھر بچوں کو مستقل صحت عطا ہو گئی ہے اور جو نہیں کر سکے میرے پاس ابھی پرسوں ایک کیس آیا تھا جو نہیں فرق کر سکے یا ہومیو پیتھک علاج پر اعتماد ہی نہیں ہوا ان کے بچوں کا برا حال تھا۔ وہ کہتے ہیں کوئی ہفتہ نہیں گزرتا تھا جب انٹی بائیوٹک نہ دینی پڑے۔ ان کو میں نے پھر پابندی سے بند کیا ہے اور ہومیو پیتھی کی دوائیں تجویز کی ہیں جن کی ابھی تک رپورٹ نہیں آئی مگر پہلے ایسے معاملات میں خدا کے فضل سے بڑی خوشکن رپورٹیں آتی رہی ہیں۔

ہومیو پیتھس کو ایلو پیتھی کا علم ضرور حاصل کرنا چاہئے۔

اس ضمن میں دوسرا سوال یہ اٹھایا گیا کہ جو لوگ اپنے بچوں کو ایلو پیتھک ڈاکٹر بنانا چاہتے ہیں کیا اب ان کو میڈیکل کالجوں میں داخلہ نہیں لینا چاہئے۔ حضور نے فرمایا ان کو میڈیکل کالجوں میں ضرور داخلہ لینا چاہئے کیونکہ وہ ڈاکٹر جو آج کل کی مروجہ ایلو پیتھک تعلیم حاصل کرتا ہے اسے انسانی صحت کے تعلق میں اتنی باتوں کا علم ہو جاتا ہے کہ ایک ہومیو پیتھ جو صرف ہومیو پیتھی پڑھ کر ہومیو پیتھ ڈاکٹر بنتا ہے اس کو بسا اوقات سمجھ ہی نہیں آتی کہ یہ کیوں ایسا ہو رہا ہے اور اسے کیا کرنا چاہئے۔ وہ بہت سی بیماریوں کی پہچان بھی نہیں کر سکتا۔ ہومیو پیتھک علامتیں بعض دفعہ غیر واضح ہوں تو ایلو پیتھک طرز تشخیص مددگار ہو جایا کرتی ہے۔ اور پھر اگر اندرونی نظام کا پتہ نہ ہو تو بہت مشکل ہے کہ محض ہومیو پیتھک کے ذریعہ انسان تمام بیماریوں کے حالات پر عبور حاصل کر سکے یا اعتماد حاصل کر سکے۔ کئی ہومیو پیتھ بیچارے اسی لئے بعض مریضوں کو ضائع کر دیتے ہیں کیونکہ ان کو پورا علم نہیں ہوتا کہ یہ بیماری اور ہے اور وہ بیماری نہیں ہے جس کو وہ سمجھ رہا ہے۔ اس کا علاج مثلاً سرجری یعنی جراحی ہونا چاہئے۔ اس لئے میرے نزدیک تو علم کے لحاظ سے ایلو پیتھک علم حاصل کرنا ضروری ہے اور ہمارے ہومیو پیتھس کو بھی حاصل کرنا چاہئے اسی لئے لیکچرز کے دوران میں نے ڈاکٹر صاحب کو سامنے بٹھایا ہوتا ہے۔ جہاں جہاں ضرورت ہو اپنی توفیق کے مطابق میں ایلو پیتھی کی باتیں بھی ساتھ کرتا ہوں تا کہ لوگوں کو سمجھ تو آئے کہ یہ کیا چیز ہے۔ پھر جہاں تک علاج کا تعلق ہے آپ کو اختیار ہے ایلو پیتھک جبری علاج کریں یا ہومیو پیتھک طوعی علاج کریں۔

انسانی اعضاء کا عطیہ

انسانی اعضاء کے Donate کرنے کے بارہ میں سوال پر حضور انور نے فرمایا یہ جائز ہے اس پر سوال کرنے والے دوست نے کہا کہ پاکستان کے چند علماء نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ یہ حرام ہے۔ حضور نے فرمایا مولویوں نے تو احمدیوں کی نماز جنازہ پڑھنے پر لوگوں کی بیویاں حرام کر دی ہیں ان کے فتووں پر آپ کیا کیا کچھ کریں گے۔

جہاں تک انسانی اعضاء کے عطیہ کا سوال ہے ایک شخص اگر کچھ ایسی قربانی کرے کہ اس کی زندگی کو خطرہ نہ ہو اور دوسرے کی زندگی بچالے تو یہ بعینہ اسلامی روح کے مطابق ہے۔ مگر کوئی شخص اپنی زندگی کو جان بوجھ کر دوسرے کے لئے ختم کرے اس کی اجازت نہیں۔ یہ ایک قسم کی خودکشی ہے سوائے اس کے کہ جنگ وغیرہ کی صورت ہو۔ یہ بالکل اور مضمون ہے۔ اس میں سب کو برابر خطرہ ہے اور اس میں ایک شخص جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کے آگے جا کر صحابہ لڑے ہیں اپنے سے زیادہ قیمتی وجود کی جان بچانے کے لئے اپنی جان خطرہ میں ڈالتا ہے۔ تو یہ گناہ نہیں ہے۔ لیکن کوئی اپنا دل نکال کر پیش کر دے تو یہ گناہ ہے کیونکہ دل کے بغیر کوئی زندہ نہیں رہ سکتا۔ یا جگر کاٹ کر باہر پھینک دے تو یہ گناہ ہے۔ کیونکہ یہ خودکشی کی ایک قسم ہے۔ لیکن اگر ایک گردہ دینے سے کسی بچے یا بچے کی طرف سے گردہ دیا جائے تو ماں کی جان بچتی ہے اور اس کی جان کو خطرہ نہ ہو تو اس میں کون سا گناہ ہے۔

پس اگر جنگوں میں کھلم کھلا اپنی جان پیش کر دینے کی اجازت ہے تو عام حالات میں اس قسم کی قربانیاں اسلام کی روح کے منافی نہیں ہیں۔ مرنے کے بعد تو یہ معاملہ اور بھی زیادہ آسان ہو جاتا ہے۔ بعض لوگوں کو صرف یہ خطرہ ہوتا ہے اور مولویوں نے اسی وجہ سے فتویٰ دیا ہے کہ اگر آنکھیں نکال دیں تو قیامت کے دن اندھے اٹھیں گے اپنی آنکھیں کسی اور کو ملی ہونگی۔ یہ خطرناک بیوقوفی ہے آنکھوں نے کہاں رہنا ہے۔ وہ نہ بھی دو گے تو گل سڑ جائیں گی۔ ہم نے تو مردوں کے پنجر اور لاشیں ڈیلوں کے بغیر دیکھی ہیں۔ ڈیلے کہاں دیکھے ہیں۔ آنکھوں کے ڈیلے غائب ہو جاتے ہیں اس لئے یہ فضول باتیں ہیں۔

(صفحہ ۲۴ سے آگے)

کو خود پھولنے پھلنے کا موقعہ دیں۔ بچوں میں شروع سے ہی دین کی غیرت کا جذبہ پیدا کرنے کی کوشش کریں۔ غیرت بڑی عظیم صفت ہے اور آئندہ چل کر بڑے بڑے ابتلاؤں سے بچانے میں سب سے اہم کردار ادا کرتی ہے۔ جس بچہ میں اپنے مذہب۔ اپنی خاندانی روایات اور اقدار۔ اپنے معاشرہ کی غیرت پیدا ہو جاتی ہے تو وہ بہت سے ابتلاؤں سے بچ جاتا ہے۔ پھر تھوڑا بہت دنیا کا ایکسپوژر اس کے لئے چیچک کے ٹیکہ کی طرح کام کرتا ہے جو اس میں چیچک کے بھرپور حملہ کے خلاف قوت مدافعت پیدا کر دیتا ہے۔

تربیت اولاد کے سلسلہ میں حضرت بانی سلسلہ فرماتے ہیں کہ "بات بات پر بچوں کو روکنا ٹوکنا یہ ظاہر کرتا ہے کہ گویا ہم ہی ہدایت کے مالک ہیں اور ہم اس کو اپنی مرضی کے مطابق ایک راہ پر لے آئیں گے یہ ایک قسم کا شرک خفی ہے۔ ... ہم تو اپنے بچوں کے لئے دعا کرتے ہیں اور سرسری طور پر قواعد اور آداب تعلیم کی پابندی کراتے ہیں۔ بس اس سے زیادہ نہیں۔ اور پھر اپنا پورا بھروسہ اللہ تعالیٰ پر رکھتے ہیں۔ جیسا کسی میں سعادت کا تخم ہو گا وقت پر سرسبز ہو جائے گا۔"

کلام الٰہی کا مطالعہ اور اس پر عمل

کلام الٰہی مطالعہ کرنے کے لئے بھی ہے اور عمل کرنے کے لئے بھی۔ مطالعہ کرنے سے بھی برکت ملتی ہے۔ دل صاف اور پاک ہونے لگتا ہے اور جذبات میں خداتعالیٰ کی محبت بڑھنے لگتی ہے۔ لیکن اس سے بھی زیادہ کلام الٰہی عمل کرنے کے لئے ہے۔ عمل کرنا برکت کا باعث بھی ہوتا ہے اور بہتری کا باعث بھی۔ جب ہم کلام الٰہی کی کسی ہدایت پر عمل کرتے ہیں تو پہلی بات تو ہمیں یہ حاصل ہوتی ہے کہ ہم اپنے آپ کو خداتعالیٰ کے قریب لاتے ہیں۔ خدا کا ہم سے پیار بڑھتا ہے اور دوسری بات یہ کہ اس ہدایت پر جو خالق کل نے ہماری ہر کنہ جانتے ہوئے ہمیں دی ہے ہمیں اپنی زندگی کو بہتر بنانے کا موقعہ ملتا ہے۔ پس ان دونوں باتوں کو سامنے رکھا جائے تو کلام الٰہی کا مطالعہ کرنا اور اس پر عمل کرنا دونوں باتیں لازمہ حیات ہو جاتی ہیں۔ اس کے متعلق حضرت بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ (ہماری دلی دعائیں آپ کے لئے) فرماتے ہیں:۔

"کلام الٰہی ایک ایسی ہدایت ہے کہ اس پر عمل کرنے والا اعلیٰ درجے کے کمالات حاصل کر لیتا ہے اور خداتعالیٰ سے اس کا ایک سچا تعلق پیدا ہونے لگتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کے اعمال صالحہ جو کلام الٰہی کی ہدایتوں کے موافق کئے جاتے ہیں وہ ایک شجر طیب کی مثال جو کلام الٰہی میں دی گئی ہے بڑھتے ہیں اور پھل پھول لاتے ہیں۔ ایک خاص قسم کی حلاوت اور ذائقہ ان میں پیدا ہوتا ہے۔ پس اگر کوئی شخص اپنے ایمان میں نشوونما کا مادہ نہیں رکھتا بلکہ اس کا ایمان مردہ ہے تو اس پر اعمال صالحہ کے طیب اشجار کے بار ور ہونے کی کیا امید ہو سکتی ہے۔ ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام کیا۔ یہ راہ کوئی بے ثمر اور حیران اور سرگرداں کرنے والی نہیں ہے۔ بلکہ اس پر چل کر انسان بامراد اور کامیاب ہوتا ہے اور عبادت کے لئے تکمیل عملی ضروری شے ہے۔ ورنہ وہ محض ایک کھیل ہو گا۔ کیونکہ درخت اگر پھل نہ دے خواہ وہ کتنا ہی اونچا کیوں نہ ہو مفید نہیں ہو سکتا"

کلام الٰہی سے جو فوائد حاصل کئے جا سکتے ہیں۔ ان میں سے سب سے بڑا فائدہ تو یہ ہے کہ اس کے ذریعے خداتعالیٰ سے سچا تعلق پیدا ہونے لگتا ہے۔ یہ ایک ایسی بات ہے کہ انسان کی زندگی کو بدل کر رکھ دیتی ہے۔ خداتعالیٰ سے سچا تعلق ہر نیکی کی بنیاد ہے۔ اور ہر بدی اسی سے دور ہوتی ہے۔ کیونکہ یہ ممکن ہی نہیں کہ اللہ تعالیٰ سے سچا تعلق ہو اور انسان نیکیوں کی پرواہ نہ کرے اور برے کاموں میں ملوث ہو جائے۔

پس سب سے بہتر زندگی بدلنے کا نسخہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے سچا تعلق پیدا ہو جائے اور سچا تعلق پیدا کرنے کے لئے کلام الٰہی کی ہدایات پر عمل کرنا ضروری ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ کلام الٰہی کی ہدایت پر عمل کرنا ہی اعمال صالحہ کا موجب بنتا ہے۔ انسان اعمال تو ہر قسم کے کرتا ہے۔ بعض اعمال کو وہ اچھا بھی سمجھتا ہے لیکن جو اعمال خداتعالیٰ کی ہدایات کے مطابق ہوں اور جن سے اس کی منشاء اور اس کی رضا ٹپکتی ہو' اور انہی کو اعمال صالحہ کا نام دیا جا سکتا ہے۔ گویا کہ خداتعالیٰ سے سچا تعلق پیدا ہونے سے ہمارے اعمال صرف اعمال نہیں رہ جاتے بلکہ اعمال صالحہ بن جاتے ہیں۔ اور اعمال صالحہ کی جو مثال کلام الٰہی میں دی گئی ہے وہ ایک شجر طیب کی ہے۔ جس طرح اعمال ہر قسم کے ہو سکتے ہیں اسی طرح شجر بھی کئی قسم کے ہوتے ہیں۔ بعض اشجار میں پھیلاؤ زیادہ ہوتا ہے۔ بعض میں اونچائی زیادہ ہوتی ہے۔ بعض کی لکڑی سخت ہوتی ہے بعض کی لکڑی نرم ہوتی ہے۔ لیکن سب سے بہتر شجر وہ شجر سمجھا جائے گا۔ جو حقیقی ضرورتوں کو پورا کرنے والا ہو اور وہ پھل پھول بھی لائے۔ اگر پھل پھول لانے والا درخت ہے اور اس پر پھل پھول پیدا نہیں ہوتے تو اس کا پھیلاؤ چاہے کتنا ہی کیوں نہ ہو اور اس کی اونچائی بھی چاہے کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہو وہ کسی کام کا درخت نہیں۔ یہ بات تو ٹھیک ہے کہ بعض درخت جو اونچے ہوتے ہیں ان سے مفید کام لئے جاتے ہیں۔ بعض درخت جو پھیلاؤ رکھتے ہیں ان سے بھی مفید کام لئے جاتے ہیں۔ لیکن ضروری نہیں کہ ان سے پھل اور پھول کی توقع کی جائے۔ البتہ جو درخت بھی پھل اور پھول کے لئے لگایا جائے اس میں اگر پھل اور پھول نہ آئیں تو وہ درخت محض ایندھن بنانے کے لئے کاٹا جاتا ہے۔ اور پھر پھل پھول کے متعلق بھی یہ بات یاد رکھنے والی ہے کہ اگر پھل میٹھا نہ ہو اور ذائقے دار نہ ہو تو اسے کون استعمال نہیں کرے گا نہ صرف یہ کہ اسے استعمال نہیں کرے گا اس سے گریز کرے گا۔ پھل کو توڑا منہ میں ڈالا نہ مٹھاس۔ نہ ذائقہ۔ بلکہ ترشی اور ترشی بھی ایسی جو گلے کو پکڑ لے۔ ایسے پھل کو دوسری دفعہ کون منہ میں ڈالے گا۔ اور یہ جو پہلی دفعہ منہ میں ڈال لیا ہے۔ اس کو بھی تھوک تھوک کر وہ اپنے منہ کو صاف کرنے کی کوشش کرتا رہے گا۔

پس یہ بات نہایت ضروری ہے کہ پھل پھول والے درخت پھل پھول ضرور لائیں۔ جس شخص کا خداتعالیٰ سے سچا تعلق پیدا ہو جائے اس کے اعمال 'اعمال صالحہ بن جاتے ہیں اور وہ ایک شجر طیب کی مثال ہوتا ہے یعنی اس سے دنیا کو فائدہ پہنچتا ہے۔ دنیا اسے میٹھا اور ذائقے دار سمجھتی ہے اور اس سے استفادہ کرتی ہے۔ اس سے نہ صرف اپنی زندگی بہتر بن جاتی ہے بلکہ یہ بات دوسروں کی زندگی کو بھی بہتر بنانے والی ہے۔

دیکھا آپ نے۔ یہ سب کچھ نتیجہ ہے کلام الٰہی کی ہدایات پر عمل کرنے کا۔ ہمیں ہر وقت خداتعالیٰ سے دعا کرنی چاہئے کہ وہ ہمیں کلام الٰہی کی سمجھ بوجھ عطا کرے۔ ہم اس کا مطالعہ کرتے رہیں۔ ہم اس کی ہر ہدایت پر عمل کرنے والے ہوں۔ تاکہ ہمارے اعمال اعمال صالحہ بن جائیں اور ہم ایک پھل پھول دینے والے شجر کی طرح دنیا کو فائدہ پہنچائیں۔ اے خدا تو ایسا ہی کر۔

صاحبزادہ مرزا مجید احمد ایم۔اے

نسلوں کا تفاوت (جنریشن گیپ)

ایک عزیز جو غیر ملک میں مقیم ہیں اور جنہیں اپنی اولاد جو بلوغت کی عمر میں داخل ہو رہی ہے کی وجہ سے پریشانی ہے کے خط نے اس مسئلہ کی طرف توجہ مبذول کروائی۔ اب جب کہ ٹیلی ویژن کی یلغار ہر ملک پر سیلاب کی طرح امڈی چلی آرہی ہے۔ کہیں زیادہ کہیں کم۔ یہ مسئلہ اب صرف غیر ممالک میں بسنے والے والدین کے لئے ہی پریشانی کا موجب نہیں بلکہ اس کے اثرات تمام دنیا اور تمام سوسائٹیوں میں پائے جانے شروع ہوگئے ہیں اور والدین بجا طور پر پریشان ہیں۔ سوال یہ اٹھتا ہے کہ اس سے کس طرح نمٹا جائے یا پھر مشہور مثل کی طرح اپنا سر ریت میں دبا کر یا آنکھیں بند کر لینے سے کہ شاید یہ خطرہ خود بخود ٹل جائے۔ خطرات کبھی بھی خود بخود نہیں ٹلا کرتے۔ کوئی نہ کوئی تدبیر ہی کرنی پڑتی ہے۔

اول تو یہ بات سمجھنے والی ہے کہ نئی نسل ہمیشہ سے ہی پہلی نسل سے کچھ نہ کچھ ضرور اپنے خیالات' عادات' اطوار یہاں تک کہ لباس میں بھی مختلف ہوتی ہے۔ اس سے آنکھیں بند کر لینے یا اس حقیقت کے انکار سے یہ حقیقت بدل نہیں جائے گی۔ جس طرح انسان کی زندگی میں ایک تبدیلی کا عمل جاری ساری رہتا ہے اور آج کا انسان کئی ایک لحاظ سے آج سے ایک صدی پہلے کے انسان سے مختلف ہے۔ یہ نہیں کہ پہلے اس کی ایک آنکھ ہوتی تھی اور اب دو ہوگئی ہیں۔ مگر صحت یا اوسط عمر کے لحاظ سے ہی لے لیں۔ پہلے اوسط عمر کوئی 30 چالیس برس ہوتی تھی۔ اب ساٹھ سے تجاوز کر گئی ہے۔ پہلے اگر کسی کو سل ہو جاتی تو اس کا زندہ بچ رہنا ایک معجزہ سے کم نہ ہوتا اور آج نوے فیصد لوگ اس موذی مرض سے بچ نکلتے ہیں۔ پہلے برف کے ٹھنڈے پانی تک کی رسائی چند لوگوں تک محدود تھی آج ایک چھوٹے سے چھوٹے قصبہ میں ٹھنڈا پانی کیا یخ بستہ قسم قسم کے مشروب دستیاب ہیں جو سفر پہلے دنوں میں طے ہوتا تھا اب چند گھنٹوں کی مار ہے اور گزشتہ لوگوں کا تصوراتی اڑن کھٹولہ آج حقیقت بن چکا ہے۔ دنیا سمٹ کر ایک قصبہ کی حیثیت اختیار کر چکی ہے۔ غرض صنعتی انقلاب کے بعد جو تبدیلیاں پہلے صدیاں گزرنے پر رونما ہوتی تھیں وہ آج روزمرہ کا معمول بن گئی ہیں۔ ہر شعبہ زندگی میں انقلاب آگیا ہے اور یہ انقلاب ہر روز برپا ہو رہا ہے۔ یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ اس انقلاب سے لوگوں کی زندگیاں اور ان کے خیالات متاثر نہ ہوں۔

آج سے ایک صدی بلکہ اس سے بھی کم عرصہ میں جب جو چند لوگ یورپ جاتے اور واپس آکر وہاں کے حیران کن حالات بتاتے تو لوگ انہیں اگر جھوٹ نہیں تو مبالغہ ضرور تصور کرتے۔ لیکن آج ٹیلی ویژن کی بدولت یہ طلسماتی دنیا ایک جھونپڑی میں رہنے والے انسان کے سامنے ایک کھلی اور متحرک تصویر کی صورت میں میسر ہے اور یہ اسے کسی نہ کسی رنگ میں متاثر کئے بغیر نہیں چھوڑتی۔ وہ ناچ اور گانا جو کبھی راجوں مہاراجوں کی پہنچ میں ہی ہوتا تھا آج وہ ہر روز ٹیلی ویژن کی سکرین پر ہر کس و ناکس کو دیکھنے کو ملتا ہے۔

اب ان حالات کی موجودگی میں نئی نسل جن کا خون پرانی نسل کے مقابلہ میں زیادہ گرم اور ان کے جذبات زیادہ برانگیخت ہونے والے ہوتے ہیں جو ایک کمزور سی لو سے ہی بھڑک اٹھتے ہیں کا متاثر نہ ہونا ایک ناممکن امر ہے۔ یہ بھی ایک ناممکن بات ہے کہ آپ دنیا میں جو نئی نئی ایجادات ہو رہی ہیں ان کا دروازہ اپنی اولاد پر کلیتًا بند کر دیں۔ یہ تو ناممکن ہے کہ آپ اپنے گھر سے ہی ٹیلی ویژن کا جنازہ نکال دیں۔ اگر ایسا کریں گے تو آپ اس سے بڑھ کر ایک اور جن بوتل سے نکال لیں گے کہ آپ کی اولاد آپ سے چھپ چھپ کر کسی اور جگہ جا کر یا پھر Blue Films کے کاروبار کرنے والوں کے ہتھے چڑھ جائے گی اور آپ کو اس کا علم اس وقت ہوگا جب پانی سر سے گزر چکا ہوگا۔ ایسا مشاہدہ میں کم ہی آیا ہے کہ ایسا عمل کرنے والوں کی اولاد کبھی بھی اس عمل کی وجہ سے دوسروں کی اولاد سے بہتر نظر آتی ہو۔ اگر ہوتی بھی تو اس کی پشت پر کوئی اور عوامل ہوتے ہیں نہ کہ ان چیزوں کے دروازے بند کرنے کی وجہ سے پیدا ہوئی ہوتی ہے۔ پھر اکثر دیکھنے میں آیا ہے ایسے بچے جوں ہی اپنے والدین کی براہ راست نگرانی سے نکل کر باہر کی دنیا میں قدم رکھتے ہیں تو اس یلغار میں یوں بہتے نظر آتے ہیں جس طرح ایک تنکا تند اور تیز دریا کی لہروں میں ڈوبتا ابھرتا نظر آتا ہے۔ ان کی خود اپنی کوئی بھی سمت نہیں رہتی۔ وہ دھارے کے ساتھ ساتھ بہنا شروع کر دیتے ہیں۔ ایک باشعور اور دنیا کی اونچ نیچ کو سمجھنے والے نوجوان کے مقابلہ میں ایسے نوجوانوں کا حشر آپ ذرا باہر جا کر دیکھیں کہ کیا ہوتا ہے۔ وہ اس طرح اس تہذیب پر گرتے ہیں کہ گدھ بھی کیا مردار پر گرتی ہوگی۔ وہ اپنی مذہبی اور معاشرتی قدروں کو یوں روندتے ہیں کہ دیکھ کر شرم آتی ہے۔ یا وہ پھر اپنے اردگرد ایک ایسا حصار باندھ لیتے ہیں جو انہیں ہر قسم کے جدید اور مثبت رجحانات سے بھی اندھیرے میں قید کر دیتا ہے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ نئی نسل کی تربیت میں کیا اقدام اٹھائے جائیں کہ یہ Generation Gap مثبت پہلو میں پروان چڑھے۔ بچہ جب پیدا ہوتا ہے اسے نہ نیکی کا پتہ ہوتا ہے اور نہ بدی کا۔ اس کی سلیٹ بالکل صاف ہوتی ہے۔ اب یہ والدین اساتذہ اور معاشرہ ہی ہوتے ہیں جو ان کے مستقبل کے راستوں کی نشاندہی کرتے ہیں۔ ان سب میں سے اول ماں کا کردار ہوتا ہے۔ تبھی رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ شادی کے وقت جو سب سے اہم امر ہے وہ زوج کی نیکی اور تقویٰ ہے جو قائم رہتا ہے باقی سب چیزیں آنی جانی ہیں اس لئے انتخاب میں اولیت نیکی اور تقویٰ کو دو۔ اگر ماں بچے کی صحیح تربیت کرنے کی اہلیت نہیں رکھتی تو پہلی اینٹ ہی ٹیڑھی رکھ دی گئی ہے جو آگے عمارت پر اثر انداز ہوگی۔ عموماً دیکھنے میں آیا ہے کہ اگر ماں نہ صرف نیک بلکہ اچھی تربیت دینے

والی ہو اور باپ خواہ اس معیار پر نہ بھی اترے تو بھی اولاد نیک اور صالح نکلتی ہے۔ جن Basic امور پر توجہ دینے کی ضرورت ہوتی ہے۔ ان میں سب سے اول سچائی۔ اپنے اوپر بھروسہ اور نیکی اور بدی میں تمیز کرنے کی صلاحیت ہے۔ پھر ماں باپ اگر خود اچھے نمونہ کا مظاہرہ نہیں کرتے تو پھر آگے چل کر سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ کا خاص فضل ہو جائے بچے کا کردار کا صحیح خطوط پر اٹھنا بڑا ہی مشکل ہوتا ہے۔ حضرت اماں جان فرمایا کرتی تھیں کہ ماں کو اپنے پہلے بچہ پر بہت توجہ دینی چاہئے کیونکہ اگر وہ اچھا نکلے تو پھر باقی بچوں کے لئے ایک نیک نمونہ بن جاتا ہے اور بعد میں آنے والے بہن بھائی بڑے بھائی یا بہن کی نقل کرتے ہیں کیونکہ ان کا بیشتر وقت اس کے ساتھ کھیلنے میں گزرتا ہے اور اس دوران وہ بہت کچھ سیکھ رہے ہوتے ہیں جبکہ ماں کے پاس پھر زیادہ وقت دینے کے لئے نہیں بچتا۔ اکثر مشاہدہ میں آیا ہے کہ جس طرح بچے اپنی ماں کے قریب ہوتے ہیں اور اس سے اپنے ذاتی معاملات پر بات کر لیتے ہیں وہ ویسے اپنے باپ سے بالعموم نہیں کر پاتے۔ باپ کے پاس وہ اتنا وقت نہیں گزارتے جتنا ماں کے پاس گزارتے ہیں۔ جب بچے بڑے ہو جائیں تو پھر باپ کو بھی چاہئے کہ وہ ان کے مشاغل میں دلچسپی لے۔ جو باپ اپنے بیٹوں کے مشاغل میں حصہ لیتے ہیں اور ان کی Hobbies میں دلچسپی لیتے ہیں ان میں اتنی دوری نہیں ہوتی جتنی بالعموم دیکھنے میں آتی ہے۔

بچہ جب بلوغت میں قدم رکھتا ہے تو وہ بالعموم باپ کو ایک ساتھی کے طور پر نہیں بلکہ ایک مدمقابل کی صورت میں دیکھنا شروع کر دیتا ہے سوائے اس کے کہ باپ اس مرحلہ پر آکر سمجھ داری سے کام لیتے ہوئے اپنے بیٹے کو دوست کی صورت میں نظر آئے جو اس کے نئے نئے اٹھنے والے جذبات اور ہیجانات کو ایک دوست کی حیثیت سے دیکھے نہ کہ صرف ایک ناصح کی حیثیت سے۔ اس مرحلہ پر آکر بچہ صرف یہ سننا نہیں چاہتا کہ بس یہ بات غلط ہے یا یہ کہ ہمارا معاشرہ یا ہماری تہذیب یا مذہب اس کی اجازت نہیں دیتا۔ وہ سمجھنا چاہتا ہے کہ کیوں۔ وہ جاننا چاہتا ہے کہ جو جسمانی اور ذہنی تبدیلیاں اس میں پیدا ہو رہی ہیں اور جو ہیجان پیدا کرنے والے جذبات ابھر رہے ہیں ان کا کہاں استعمال جائز ہے اور کہاں غلط اور جہاں غلط ہے وہ کیوں غلط ہے۔ بدقسمتی سے اس نہایت ہی اہم موڑ پر بالعموم والدین کا جو رد عمل ہوتا ہے وہ مثبت نہیں ہوتا۔ جس کے نتیجہ میں جو دوری ابھی ایک چھوٹے سے پاٹ کی حیثیت رکھتی ہے وہ وسیع ہو کر ایک خلیج کی صورت اختیار کر لی ہے اور اولاد اور والدین کے درمیان جو یگانگت ہونی چاہئے وہ تقابل کی صورت میں بدل جاتی ہے۔ یہ بڑا ہی خطرناک موڑ ہے اور اس سے ڈرنا چاہئے۔ بلوغت میں داخل ہونے اور بلوغت کو پہنچنے والے بچوں کے والدین کا اتنا ہی کام ہے کہ وہ اپنی اولاد کو صحیح راستہ کی طرف بڑے پیار اور محبت سے راہنمائی کر دیں۔ اس مرحلہ پر اگر آپ نے اپنی مرضی اور اپنے خیالات ان پر ٹھونسنے کی کسی طرح بھی کوشش کی تو یہ نہ بچے کے حق میں اور نہ ہی والدین کے حق میں مفید ہوگی۔

دوسری طرف والدین بالعموم بچوں کو جب وہ بڑے بھی ہو جاتے ہیں چھوٹا اور ناسمجھ ہی سمجھتے ہیں۔ مجھے تاریخ پڑھ کر حیرت ہوتی ہے کہ جب دیکھتا ہوں کہ محمد بن قاسم نے اٹھارہ سال کی عمر میں سندھ فتح کر لیا تھا۔ آپ مشہور اولیا کرام۔ بڑے بڑے عالم اور محدثوں کے حالات زندگی پڑھیں وہ کس طرح کم عمری کی حالت میں اپنا گھر بار چھوڑ کر علم، حق، سچائی اور دیان کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے تھے۔ حضرت مولانا نور الدین کی حیات نور الدین کو پڑھیں کس طرح وہ اوائل عمر میں ہی علم کی تلاش میں کہاں کہاں نہیں پھرے اور والد نے انہیں نصیحت کی کہ علم کی تلاش میں تم اتنی دور چلے جانا کہ ہماری وفات تک کا بھی تمہیں علم نہ ہو سکے تاکہ حصول علم میں اس وجہ سے کوئی رخنہ پیدا نہ ہو۔ ہم میں سے کتنے ہیں کہ جن کا ایسا دل گردہ ہو۔ آج کی دنیا میں جہاں فاصلے سمٹ کر رہ گئے ہیں ہم اپنے بچوں کو اکیلے کراچی تک بھجوانے میں تامل کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اب نور الدین پیدا نہیں ہوتے۔ اسی لئے محمد بن قاسم اور طارق جیسے وجودوں سے ہماری دنیا محروم ہوتی جا رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا بھی ارشاد ہے کہ دنیا کی سیر کرو کہ اس جیسا استاد تمہیں کہیں نہ ملے گا۔

Generation Gap دور کرنے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ بڑھتے ہوئے بچوں کو والدین کی توجہ اور محبت کی کمی کا احساس کبھی نہیں ہونے دینا چاہئے۔ اکثر دیکھنے میں آیا ہے کہ ادھر نئے بچہ نے گھر میں قدم رکھا تو ماں باپ کی تمام توجہ نومولود کی طرف مرکوز ہو جاتی ہے بچے ہر وقت ماں باپ کی توجہ اور محبت کے بھوکے ہوتے ہیں گو اس کے اظہار میں فرق آسکتا ہے۔ آپ پنگھوڑے کے بچے کو چومتے چاٹتے ہیں جو ایک بارہ چودہ سال کے بچے سے نہیں کرتے مگر بچے کی حسیں بڑی تیز ہوتی ہیں وہ محسوس کر لیتے ہیں کہ وہ اب ماں باپ کی توجہ کا مرکز نہیں رہے۔ لیکن اگر والدین سمجھ دار ہوں تو وہ اپنے پیار کا اظہار اور طریقوں سے بھی کر سکتے ہیں جس سے ان کی بھوک تسکین پا سکے ان سے پھر آپ دوستی کا رنگ اختیار کر لیتے ہیں۔ ان کے سکول ان کے دوستوں ان کے مشاغل سے آپ اپنی دلچسپی کا اظہار کرتے ہیں تو پھر

بڑھتے ہوئے بچوں کو بات بات پر روکنا کسی صورت میں بھی ٹھیک نہیں ہوتا۔ والدین کو سمجھ لینا چاہئے کہ اگر بچہ ماں باپ کی ہو بہو نقل بن بھی جائے تو آپ نے دنیا کی رنگینی میں کون سا اضافہ کیا۔ اس کا اپنا ایک علیحدہ وجود ہے۔ اس کی جو بھی خوبیاں ہیں وہ خواہ آپ سے مختلف ہی کیوں نہ ہوں انہیں جلا دینے کی کوشش کریں۔ اسے اپنی فوٹو کاپی نہ بنانے کی کوشش کریں۔ فوٹو کاپی بہرحال فوٹو کاپی ہی رہے گی Original نہیں بن سکتی۔

ہر ایک بچہ اپنی ایک علیحدہ شخصیت لے کر پیدا ہوتا ہے۔ اسے کچلنے کی نہیں چمکانے کی کوشش کریں چھوٹی موٹی غلطیوں اور کوتاہیوں کو عدسی شیشہ لگا کر دیکھنے کی کوشش نہ کریں کہ وہ آپ کو جرائم نظر آنا شروع ہو جائیں۔ انہیں فی الحال انسان ہی رہنے دیں۔ فرشتوں کے زمرے میں دھکیلنے کی کوشش نہ کریں۔ ان کے لئے دعا کریں اور ان پر شفقت کا ہاتھ رکھیں ایک ملٹری ڈرل ماسٹر کا نہیں۔ بچوں کو صحیح سمت دے دی۔ پھر ان

(بقیہ صفحہ ۲۱ پر)

گزشتہ دو سال میں ۱۷ احمدیوں کو احمدی ہونے کی وجہ سے ہلاک کیا گیا مگر کسی ایک مجرم کو گرفتار کر کے کیفر کردار تک نہیں پہنچایا گیا

اس وقت احمدیوں پر مذہبی الزامات پر مشتمل ہزاروں مقدمات ملک کی مختلف عدالتوں میں ہیں

پاکستان کو اب سنجیدہ طور پر انسانی حقوق کی بحالی کے متعلق سوچنا چاہئے

(ماخوذ از رپورٹ ایمنسٹی انٹرنیشنل۔ جون ۱۹۹۷ء)

ایمنسٹی انٹرنیشنل اپنی جون ۱۹۹۷ء کی رپورٹ میں لکھتی ہے:

"آج کل جبکہ پاکستان اپنی آزادی کی پچاس سالہ تقریبات منانے کی تیاریاں کر رہا ہے، یہ بات حقیقت کے طور پر سامنے آئی ہے کہ آج تک پاکستانیوں کو اپنے تمام انسانی حقوق شاذ ہی نصیب ہوئے ہیں۔ ملک بھر میں تشدد کا کلچر فروغ پذیر ہے۔ مارشل لاء کے طویل ادوار میں عوام کے شہری اور سیاسی حقوق غصب کئے جاتے رہے۔ سیاسی اداروں کو تباہ و برباد کر دیا گیا اور آئین کا حلیہ بگاڑ دیا گیا، منتخب حکومتیں بھی آئیں مگر اس نقصان کا مداوا نہ کر سکیں، وہ زیادہ تر انتقامی سیاست میں مشغول رہیں اور ملک کے اندر گھمبیر سوشل اور اقتصادی مسائل کی طرف ذرہ بھر بھی توجہ نہ دی گئی۔

چند ممتاز سیاسی افراد حکومت پر قابض رہے اور نظام حکومت ایسے چلایا گیا کہ گویا حکمران طبقہ کے لئے الگ قانون ہے اور محکوم طبقہ کے لئے الگ۔ عدلیہ سمیت حکومت کے کسی شعبہ نے بھی مستقل بنیادوں پر ایسا کام نہیں کیا کہ جس سے معلوم ہو کہ ملک میں قانون کی حکمرانی ہے اور جب کسی نے قانون شکنی کی تو متاثرین کی تکالیف کے ازالہ کے لئے کوئی قدم نہ اٹھایا گیا۔

اس وقت پاکستان میں بنیادی انسانی حقوق کی صورتحال انتہائی تشویشناک ہے۔ تشدد اور زنا کے واقعات میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔ سالہا سال سے پاکستان میں کسی حکومت نے بھی انسانی حقوق کے معاملہ کو سنجیدگی سے نہیں لیا۔ بعض نے بلند بانگ دعاوی تو کئے مگر ان کے اعمال زبانی دعووں کا ساتھ نہ دے سکے۔ درحقیقت بنیادی انسانی حقوق کی بحالی و نگہداشت کے لئے کوئی قدم نہ اٹھایا گیا۔ اس صورتحال کی ذمہ داری کسی ایک حکومت پر عائد نہیں ہوتی بلکہ تمام حکومتیں مجموعی طور پر ملک کو اس حالت سے دوچار کرنے میں برابر کی ذمہ دار ہیں۔

پاکستان ایک ایسا ملک ہے کہ جس میں چند افراد کا گروپ امیر سے امیر تر ہوتا جا رہا ہے۔ ۱۳۱ ملین آبادی میں سے ۳۵ ملین آبادی انتہائی غربت میں بسر اوقات کرتی ہے۔ ۶۰ ملین آبادی کو طبی سہولتیں میسر نہیں۔ ۶۷ ملین لوگوں کو صاف پینے کا پانی میسر نہیں اور ۸۹ ملین بنیادی حفظان صحت کی سہولتوں سے محروم ہیں۔

سیاسی پس منظر

۲۰ سالہ مارشل لاء دور نے ملک کے معاشرتی اور سیاسی ڈھانچہ کو بہت کمزور کر دیا۔ گزشتہ مارشل لاء کے دور میں یعنی ۱۹۷۷ء تا ۱۹۸۵ء، پارلیمینٹ کو توڑ دیا گیا اور آئین کی بعض شقوں کو مارشل لاء کی انتظامیہ کی سہولت کی خاطر یا تو معطل کر دیا گیا یا ان میں ترامیم کر دی گئیں۔ اس طرح حکومت کے بعض شعبے ناکارہ ہو کر رہ گئے۔

چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر جو بعد میں ملک کے صدر بنے یعنی ضیاء الحق نے عدلیہ کی آزادی پر وار کرتے ہوئے ججوں کی میعاد ملازمت کی ضمانت ختم کر دی، سیاسی پارٹیوں پر پابندی لگا دی گئی۔ ۱۹۸۵ء میں نان پارٹی سسٹم کی بنیاد پر انتخابات کرانے کے بعد پارلیمینٹ کو بحال کر دیا گیا مگر اس کو یہ الٹی میٹم دیا گیا کہ یا تو مارشل لاء برداشت کرتے رہو اور یا پھر مارشل لاء دور کی تمام تبدیلیوں کو قانونی طور پر قبول کرو۔ اس طرح آٹھویں ترمیم کے ذریعہ مارشل لاء دور میں بنائے گئے تمام قوانین اور اداروں کو آئینی طور پر تسلیم کر لیا گیا۔ مارشل لاء کے اس دور میں نسلی اور مذہبی بنیادوں پر اختلافات کو ہوا دی گئی تاکہ مارشل لاء حکومت کے خلاف عوام کی جمہوری طاقت کو کچل دیا جائے۔ ایک طرف سندھی اور مہاجر کا جھگڑا اٹھا جس نے تشدد کی صورت اختیار کر لی جس کے نتیجہ میں سینکڑوں جانوں کا ضیاع ہوا۔ دوسری طرف ملٹری اداروں اور حکومت کے عہدوں پر فائز ہونے کے لئے پنجابی، سندھی، بلوچ، پٹھان اور سرائیکی وغیرہ رقابتیں بڑھیں۔ ملک میں شیعہ سنی فسادات ۱۹۹۶ء میں اپنے نقطہ عروج تک پہنچے جس کے نتیجے میں ساڑھے تین سو جانیں تلف ہوئیں۔ ان میں زیادہ تر عبادتگاہوں پر حملے کے دوران مارے گئے۔

آٹھویں ترمیم

آئین پاکستان میں آٹھویں ترمیم کی وجہ سے صدر مملکت کو حق حاصل تھا کہ جب وہ یہ تسلی کر لے کہ منتخب حکومت آئین کی شقوں کے مطابق حکومت نہیں چلا پا رہی تو وہ ایسی حکومت کو برخواست کر دے اور اسمبلی کو تحلیل کر دے۔ اس ترمیم نے ضیاء الحق کے دور حکومت کو طول دیا اور اسی کے تحت بعد میں آنے والے صدران حکومت نے ۱۹۸۵ء کے بعد چار منتخبہ حکومتوں کو برخواست کر ڈالا۔ اس طرح ۱۹۸۵ء سے کوئی بھی منتخبہ حکومت اپنی میعاد پوری نہیں کر پائی۔ ہر حکومت پر کرپشن، جنبہ داری اور اپنے اختیارات سے تجاوز کرنے کا الزام لگایا گیا۔ اس ترمیم کے تحت آخری ڈسمس ہونے والی بے نظیر حکومت پر اوپر دیئے گئے الزامات کے علاوہ عدلیہ سے دشمنی اور حقوق انسانی کی پامالی کے الزامات بھی عائد کئے گئے۔

حوالات میں قیدیوں پر جسمانی تشدد کے واقعات

رپورٹ میں صحافیوں پر جھوٹے مقدمات کا بھی ذکر کیا گیا ہے اور حوالات میں ان پر جسمانی تشدد کے واقعات بھی درج ہیں نیز پولیس کے ہاتھوں تشدد کے نتیجہ میں ہونے والی اموات کا بھی ذکر کیا گیا ہے اور مجرموں کو انتہائی اذیت دینے والے آلات مثلاً پاؤں میں آہنی بیڑیوں اور زنجیروں کے استعمال نیز جسمانی اذیت دینے والے دیگر کئی قسم کے طریقوں کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ جس کے نتیجہ میں بعض دفعہ انسان اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے یا پھر مستقل طور پر معذور ہو جاتا ہے۔ رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ پاکستان میں تشدد کے ایسے واقعات کے نتیجہ میں قریباً ایک سو افراد ہر سال موت کے مونہہ میں چلے جاتے ہیں مگر کسی ظالم افسر کو آج تک سزا نہیں ملی۔

احمدیوں پر ظلم کے واقعات

دو احمدی عورتوں پر بازار میں حملہ

رپورٹ میں کراچی میں ہونے والے دو احمدی مستورات پر حملے کے واقعہ کی تفصیل درج کی گئی ہے- سمیہ بخاری اور بشریٰ تاثیر دو بزرگ احمدی خواتین ۲۶/مارچ ۹۶ کی شام کو شاپنگ کے لئے بازار گئیں جہاں ایک درزی نے جو کئی سالوں سے ان کے کپڑے سیتا آیا ہے ان پر ٹوکے سے وار کردیا- دونوں خون میں لت پت زمین پر گر گئیں- انہیں فوری طور پر ہسپتال پہنچایا گیا جہاں ان کی جانیں تو بچ گئیں مگر بشریٰ تاثیر بائیں جانب سے مفلوج ہو چکی ہیں- ٹیلر ماسٹر محمد عارف کو اقدام قتل کے جرم میں گرفتار کرلیا گیا- تفصیلات کے مطابق وہ بار بار یہ لفظ دہرا رہا تھا کہ یہ دونوں احمدی ہیں اور ان کو جان سے مارنے کے نتیجہ میں اسے جنت ملے گی- اس واقعہ کے چھ دن بعد محمد عارف کے ایک ساتھی نے بشریٰ تاثیر پر ایک مقدمہ زیر دفعہ ۲۹۵-سی تعزیرات پاکستان یعنی توہین رسالت کی دفعہ کے تحت درج کرایا- اس نے پولیس کو بیان دیا کہ محمد عارف نے اس عورت سے کہا تھا کہ یہ کپڑا جس کے اوپر محمد ﷺ کا نام چھپا ہوا تھا نہ پہنے مگر اس کے انکار پر محمد عارف کو طیش آگیا اور اس نے ٹوکے سے وار کردیا- توہین رسالت کی دفعہ کے تحت موت کی سزا مقرر ہے- چنانچہ بشریٰ تاثیر کو ہسپتال سے گرفتار کرلیا گیا مگر چونکہ اس کے خلاف نہ تو کوئی شہادت تھی اور نہ ہی کپڑے پر کوئی تحریر پائی گئی اس لئے ضمانت پر رہا کردیا گیا مگر مقدمہ بدستور چل رہا ہے-

تعزیرات پاکستان کی ان دفعات کو جو مذہبی جرائم پر مشتمل ہیں کئی سالوں سے سینکڑوں لوگوں کو ہراساں کرنے اور پریشان کرنے کے لئے استعمال کیا جاتا رہا ہے- اس طرح درحقیقت ان کو آزادی مذہب کے اصول پر کاربند ہونے کی سزا دی جاتی ہے-

زیادہ تر اس ظلم کا نشانہ بننے والی پاکستان کی مذہبی اقلیتیں احمدی اور عیسائی ہیں- اگرچہ ان دفعات کو بعض مسلمانوں کے خلاف بھی استعمال کیا گیا ہے-

توہین رسالت کے بہت سے مقدمات میں ملزموں کو توہین رسالت کے اقدامات کی وجہ سے نہیں بلکہ اقلیتی طبقہ کے ساتھ نفرت اور ذاتی دشمنی، حسد یا پیشہ وارانہ رقابت کی وجہ سے ان مقدمات میں الجھایا گیا اس طرح توہین رسالت کے ملزم محض اپنے مذہبی عقائد کی وجہ سے ضمیر کے قیدی بنائے گئے اور جب سے توہین رسالت کی سزا صرف موت مقرر کی گئی ہے کئی ایسے ضمیر کے قیدیوں کو موت کی سزا دیئے جانے کا امکان ہے اور فی الحقیقت ان کو ایسی سزا سنائی گئی ہے-

احمدی خود کو مسلمان یقین کرتے ہیں مگر Orthodox مسلمانوں کے نزدیک عقائد کے اختلاف کی وجہ سے وہ کافر گردانے جاتے ہیں- ۱۹۷۴ء میں ذوالفقار علی بھٹو کے عہد میں انہیں غیر مسلم اقلیت قرار دیا گیا اور ۱۹۸۰ء کی دہائی میں ضیاء الحق کے اسلامائزیشن پروگرام کے تحت انہیں اپنے عقائد کے اظہار، فرائض کی بجا آوری اور اپنے دین کی تبلیغ سے روک دیا گیا تھا- تعزیرات پاکستان کی دو نئی دفعات ۲۹۸-بی اور ۲۹۸-سی کے تحت احمدیوں کا خود کو مسلمان ظاہر کرنا، اسلامی اصطلاحات، القابات اور خطابات کا استعمال کرنا نیز اسلامی عبادات کو بجالانا اور اپنے دین کی تشہیر کرنا جرم قرار پایا- عملی طور پر احمدیوں کو اپنی عبادتگاہوں کو مسجد کہنے اور "السلام علیکم" کے الفاظ کہنے پر جیل کی سزا دی جاسکتی ہے اور دی جا رہی ہے-

۱۹۹۳ء میں سپریم کورٹ آف پاکستان نے ایک رولنگ کے ذریعہ فیصلہ دیا تھا کہ احمدیوں کے مذہبی عقائد اور مذہبی فرائض کی ادائیگی پر پابندی ان کے مذہبی آزادی کے حق پر دخل انداز نہیں ہوتی اور یہ کہ مسلمانوں کو حق ہے کہ وہ اسلامی اصطلاحات اور رسم و رواج میں احمدیوں کی مداخلت برداشت نہ کریں اور جس طرح ایک کمپنی کو اپنے برانڈ کے نام کو استعمال کرنے کا خصوصی حق حاصل ہے یہی حق مسلمانوں کو ملنا چاہئے-

دفعہ ۲۹۵-سی تعزیرات پاکستان

تعزیرات پاکستان کی دفعہ ۲۹۵-سی کا اضافہ ۱۹۸۶ء میں کیا گیا جس کے مطابق ہر وہ شخص جو رسول کریم ﷺ کی توہین کا مرتکب ہوتا ہے اسے عمر قید یا موت کی سزا ہوسکتی ہے- بعد میں عمر قید کی سزا کو ختم کرکے توہین رسالت کی سزا صرف موت ہی رہنے دی گئی-

ان نئے وضع شدہ قوانین کی وجہ سے لوگوں کو ناجائز طور پر ہراساں کیا جاتا رہا اور گرفتار کرکے جیلوں میں پھینکا جاتا رہا- توہین رسالت کی دفعہ کے تحت جرم ثابت کرنے کے لئے اس بات کا خیال نہیں رکھا جاتا کہ جرم میں ملزموں کی نیت شامل ہے یا نہیں-

توہین رسالت کے مقدمات

اس وقت دو ہزار کے لگ بھگ احمدیوں پر مذہبی الزامات پر مشتمل مقدمات مختلف عدالتوں میں ہیں اور ۱۱۹ احمدیوں پر توہین رسالت کے مقدمات زیر دفعہ ۲۹۵-سی تعزیرات پاکستان قائم ہیں- کئی ایک پر ایک سے زیادہ مقدمات بنائے گئے تاکہ ان کو مختلف عدالتوں میں بار بار حاضری دینے کا پابند کیا جاسکے- نیز ان کو تنگ کرنے کے لئے اکثر مقدمات مختلف جگہوں پر قائم کئے جاتے ہیں اس طرح ان کا وقت بھی ضائع ہوتا ہے اور بھاری رقوم بھی خرچ کرنا پڑتی ہیں- پھر بعض دفعہ مقدمات سالہا سال چلتے ہیں- ۱۹۹۶ء کے آخر تک چھ احمدیوں اور کم از کم دو عیسائیوں کو توہین رسالت کے مقدمات میں ضمانت پر رہائی ملی- توہین رسالت کے ملزموں کو بعض دفعہ ضمانتوں کے حصول کے لئے بہت لمبا انتظار کرنا پڑتا ہے- پلاں میانوالی کے ریاض احمد، اس کا لڑکا اور دو بھتیجے نومبر ۱۹۹۳ء سے جیل میں ہیں- ان کو اس مبینہ الزام کی وجہ سے گرفتار کیا گیا کہ انہوں نے توہین آمیز الفاظ کہے اور یہ بھی کہا کہ احمدیت کے بانی نے بہت معجزات دکھائے- جبکہ مبصرین کہتے ہیں کہ ریاض احمد کے خلاف مقدمے کی اصل وجہ گاؤں کی نمبرداری ہے جس کے اور لوگ بھی خواہشمند ہیں- ان چاروں کی درخواست ضمانت سیشن کورٹ نے مسترد کردی اور پھر لاہور ہائی کورٹ نے بھی مسترد کردی- ۱۹۹۴ء سے درخواست ضمانت سپریم کورٹ کے پاس معرض التواء میں ہے اور ابھی تک کوئی کارروائی نہیں ہوئی- اسی طرح سمندری پنجاب کا ایک شخص انور مسیح فروری ۱۹۹۳ء سے جیل میں ہے اس پر الزام یہ ہے کہ اس نے ایک مسلمان دوکاندار کے ساتھ لین دین کے جھگڑے میں رسول کریم ﷺ کی شان میں گستاخانہ الفاظ کہے تھے-

آج تک تین عیسائیوں، ایک سنی مسلمان اور دو شیعہ افغانیوں کو زیر دفعہ ۲۹۵-سی سزائے موت سنائی گئی مگر اپیل کے بعد ان کو رہائی نصیب ہوگئی- اس سے پتہ چلتا ہے کہ ان کو سزائیں عدم شہادتوں یا ناکافی شہادتوں کے باوجود سنائی گئی تھیں-

مذہبی اقلیتوں کے افراد کے انسانی حقوق کی پامالی

مذہبی اقلیت کے افراد مثلاً احمدی حضرات کے ساتھ کئی نوع کا امتیازی سلوک روا رکھا جاتا ہے- انہیں

آزادی تقریر حاصل نہیں اور نہ ہی وہ کوئی اجتماع کر سکتے ہیں- ان کی کئی مساجد کو سیل کر دیا گیا ہے- لٹریچر شائع کرنے پر پابندی ہے، تعلیم اور ملازمتوں کے حصول میں امتیازی سلوک برتا جاتا ہے- بعض دفعہ زبردستی احمدیت سے انکار کرایا جاتا ہے- ان کا معاشرتی اور معاشی بائیکاٹ کیا جاتا ہے اور ان کو جان سے مار دینے کی دھمکیاں دی جاتی ہیں-

مذہبی جرائم کی تعداد میں اضافے، ان جرائم کی سخت سزاؤں کا اعلان اور ان مسائل پر گرما گرم بحث کی وجہ سے ملک میں مذہبی تنگ نظری کو فروغ ملا ہے- انتہا پسند طبقہ بعض دفعہ خیال کرتا ہے کہ اسے قانون کو اپنے ہاتھ میں لینے کا اختیار ہے اور پولیس بھی ان کو ایسا کرنے سے نہیں روکتی-

اپریل ۱۹۹۴ء میں گوجرانوالہ شہر میں ایک "ڈاکٹر" کو لوگوں نے پتھر مار مار کر ہلاک کر دیا، اس افواہ کی بنا پر کہ اس نے قرآن مجید کے اوراق کو جلا ڈالا تھا- ہجوم نے اس کے بدن پر پٹرول چھڑک کر آگ لگانے کی کوشش کی جب کہ وہ زندہ تھا- پھر اس کے جسم کو گلیوں میں گھسیٹا گیا-

اس واقعہ کے ایک سال بعد شمال مغربی سرحدی صوبہ میں 'شب قدر' کے مقام پر عدالت کے احاطہ کے اندر دو احمدیوں پر مشتعل ہجوم نے حملہ کیا- یہ دونوں اپنے ہم مسلک کی ضمانت کے لئے عدالت میں گئے تھے- ان میں سے ایک ریاض خان کو پتھر مار مار کر ہلاک کر دیا گیا اور اس کے خسر کو شدید زخمی کر دیا گیا- پولیس کھڑی تماشا دیکھتی رہی اور بعد میں بیان دیا کہ یہ سب کچھ یکایک ہو گیا وہ اس معاملہ میں کچھ بھی نہ کر سکتے تھے-

گزشتہ دو سالوں میں کم از کم سترہ احمدیوں کو ہلاک کر دیا گیا ہے- کسی ایک میں بھی پولیس تفتیش کر کے ملزموں کو گرفتار کرنے میں کامیاب نہ ہوئی-

فروری ۹۷ء میں خانیوال پنجاب میں ایک درجن عیسائی گرجوں اور کئی سکولوں کو آگ لگا کر تباہ کر دیا گیا اور اس ہنگامہ میں ۵۰ کے لگ بھگ افراد شدید زخمی ہوئے- یہ سب کچھ ایک افواہ کی بنا پر ہوا- مسجدوں میں لاؤڈ سپیکروں کے ذریعہ اعلان کیا گیا کہ قرآن مجید کے اوراق جن پر عیسائیوں کے نام لکھے ہوئے تھے، پھٹے پڑے پائے گئے ہیں- ایک ٹیچر کا بیان ہے کہ گاؤں سے باہر ہجوم کو حملے کی نیت سے اکٹھا ہوتے دیکھ کر ہم نے انتظامیہ کو اطلاع دی- ہم نے دیکھا کہ ۲۰۰ کے لگ بھگ ایک ہجوم ہمارے چرچ کی طرف بڑھ رہا ہے- پھر وہ پادری کے گھر اور اسکول میں داخل ہو گئے- قیمتی اشیاء لوٹیں اور پھر ان کو آگ بم پھینک کر اور پٹرول چھڑک کر آگ لگا دی- تمام فرنیچر جل گیا اور ہم اپنی جانیں بچانے کے لئے بھاگے- پولیس نے ہماری حفاظت کے لئے یا ہجوم کو روکنے کی کوئی کوشش نہیں کی- باور کیا جاتا ہے کہ پولیس نے انتقامی کارروائی کرنے کے لئے بعض مذہبی گروپوں کو اس اقدام پر اکسایا تھا- اس کی وجہ یہ تھی کہ اس واقعہ سے قبل ایک پولیس چھاپے کے دوران بعض پولیس افسروں نے بائبل کی بے حرمتی کی تھی جس کی وجہ سے ان افسروں کو معطل کر دیا گیا تھا-

توہین رسالت کی دفعات میں ترامیم حکومت کا وعدہ

ملکی سطح پر اور عالمی سطح پر توہین رسالت کی دفعات خصوصاً دفعہ ۲۹۵-سی کے غلط استعمال پر احتجاج کی وجہ سے ۱۹۹۴ء میں حکومت نے ایک بیان میں کہا تھا کہ وہ اس ضمن میں دو ترامیم پاس کرے گی-

۱- توہین رسالت کا مقدمہ درج کرنے اور گرفتاریوں سے پہلے جوڈیشل مجسٹریٹ کی اجازت حاصل کرنا ضروری ہوگا-

۲- توہین رسالت کی دفعات کے تحت جھوٹا مقدمہ درج کرانا قابل دست اندازی پولیس جرم متصور ہوگا-

لیکن دینی تنظیموں کے احتجاج کی وجہ سے ۱۹۹۵ء کے وسط میں بے نظیر حکومت اس سے مکر گئی اور اعلان کر دیا کہ وہ اس قانون میں کوئی تبدیلی نہیں کرے گی-

صدر فاروق کی عیسائیوں کو توہین رسالت کے مقدمات کے بارہ میں یقین دہانی- ...... مگر احمدیوں کو نہیں

۱۹۹۵ء میں صدر فاروق لغاری نے عیسائیوں کو یقین دلایا کہ مجسٹریٹوں کو ہدایت کر دی گئی ہے کہ وہ عیسائیوں پر توہین رسالت کے مقدمات درج کرنے سے پہلے ان کی چھان بین کر لیا کریں- اگرچہ عدالتیں ایسے احکامات کی پابند نہیں ہوتیں تاہم تقریباً دو سال تک ان ہدایات کا مثبت اثر محسوس کیا جاتا رہا- مگر ابھی چند مہینوں سے ایک بار پھر عیسائیوں کو توہین رسالت کے مقدمات میں گرفتار کیا جا رہا ہے- مثال کے طور پر ایوب مسیح اکتوبر ۹۶ء سے ساہیوال جیل میں ہے اور اس پر مبینہ الزام یہ لگایا گیا ہے کہ اس نے اپنے ایک مسلمان ہمسایہ سے تنازعہ کے دوران رسول کریم ﷺ کی توہین کی ہے- مگر مقامی انسانی حقوق کے ماہرین کا کہنا ہے کہ دراصل اس کی وجہ ان دونوں کے درمیان زمین کا تنازعہ ہے-

جہاں عیسائیوں کو اس بات کی یقین دہانی کرائی گئی کہ ان کے خلاف توہین رسالت کے مقدمات درج کرنے سے پہلے مجسٹریٹ واقعات کی چھان بین کریں گے- ایسی یقین دہانی سرکاری طور پر احمدیوں کو نہیں کرائی گئی بلکہ حقیقت یہ ہے کہ احمدیوں کے خلاف بعض مقدمات میں تعزیرات پاکستان کی دفعہ ۲۹۵-سی کا اضافہ حکومت کے کہنے پر کیا گیا- اور بعض دفعہ تو اعلیٰ عدالتوں کے صریح فیصلوں کی خلاف ورزی کرتے ہوئے ایسا کیا گیا- مثال کے طور پر ڈاکٹر مجوکہ کو فروری ۱۹۹۴ء میں دفعہ ۲۹۸-سی کے تحت اس جرم میں پکڑا گیا کہ مبینہ طور پر اس نے اپنے ہمسایوں کو اپنے امام کی براڈکاسٹ تقریر سنانے کے لئے گھر بلایا مگر پولیس نے بعد میں توہین رسالت کی دفعہ ۲۹۵-سی کا اضافہ کر دیا- اس کے باوجود کہ سیشن کورٹ اور لاہور ہائی کورٹ کا یہ فیصلہ اسی کیس میں موجود تھا کہ دفعہ ۲۹۵-سی کے اضافے کا کوئی قانونی جواز موجود نہیں- اور اکتوبر ۱۹۹۶ء میں خوشاب کی عدالت نے ۲۹۵-سی کے اضافہ کو سرکاری وکیل کے کہنے پر منظور کر لیا-

عورتوں اور بچوں کے انسانی حقوق کی پامالی کے واقعات

رپورٹ میں عورتوں اور بچوں کے انسانی حقوق کی پامالی کے واقعات بھی درج ہیں اور حکومت پاکستان سے مطالبہ کیا گیا ہے کہ زنا آرڈیننس کو فی الفور ختم کر دیا جائے کیونکہ یہ قانون عورتوں کے ساتھ امتیازی سلوک روا رکھتا ہے-

سفارشات

ایمنسٹی انٹرنیشنل مندرجہ ذیل سفارشات پیش کرتی ہے-

مذہبی آزادی کو محدود کرنے والے یا اس پر پوری طرح پابندی لگانے والے قوانین "عالمی انسانی حقوق" سے ٹکراتے ہیں-

یونیورسل ڈیکلیریشن آف ہیومن رائٹس کی دفعہ ۱۸ کے تحت ہر شخص کو آزادی خیال، آزادی ضمیر اور آزادی مذہب کا حق حاصل ہے اور اس حق میں مذہب یا عقیدہ تبدیل کرنا بھی شامل ہے- اور یہ آزادی انفرادی یا اجتماعی طور پر، پرائیویٹ یا پبلک میں اپنے عقیدہ یا مذہب کی تعلیمات کے اظہار اور مذہبی امور کے فرائض اور احکام کی بجا آوری پر مشتمل ہے-

(باقی صفحہ ۱۸ پر)

سلسلہ وار

آئیے نماز سیکھیں

تسبیح

سُبْحَانَ	رَبِّیَ	الْاَعْلٰی
تمام نقائص سے پاک ہے	میرا پالنے والا	سب سے بلند
میرا پالنے والا تمام نقائص سے پاک ہے (اور) سب سے بلند شان والا ہے		

دُعائے بین السجدتین

اَللّٰھُمَّ	اغْفِرْلِیْ	وَارْحَمْنِیْ	وَاھْدِنِیْ
اے اللہ	میرے گناہ بخش	اور مجھ پر رحم فرما	اور مجھے ہدایت دے
اے اللہ میرے گناہ بخش اور مجھ پر رحم فرما اور مجھے ہدایت دے			
وَعَافِنِیْ	وَارْفَعْنِیْ	وَاجْبُرْنِیْ	وَارْزُقْنِیْ
اور مجھے خیریت سے رکھ	اور مجھے بلندی بخش	اور میرے نقصان کی تلافی فرما	اور مجھے رزق دے
اور مجھے خیریت سے رکھ اور مجھے بلندی بخش اور میرے نقصان کی تلافی فرما اور مجھے رزق دے			

تشہد

اَلتَّحِیَّاتُ	لِلّٰہِ	وَالصَّلَوٰۃُ	وَالطَّیِّبَاتُ
تمام تحفے	اللہ کے لئے ہیں	اور تمام دعائیں	اور اچھی باتیں
تمام زبانی، بدنی اور مالی عبادتیں صرف اللہ کے حضور بجا لائی جا سکتی ہیں (یہ پاکیزہ تعلیم دینے والے)			
اَلسَّلَامُ	عَلَیْكَ	اَیُّھَا النَّبِیُّ	وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ
سلامتی ہو	تجھ پر	اے نبی	اور رحمت اللہ کی
اے نبی تجھ پر سلامتی ہو اور اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کی برکات ہوں			
وَبَرَکَاتُہٗ	اَلسَّلَامُ	عَلَیْنَا	وَعَلٰی
اور اس کی برکات	سلامتی ہو	ہم پر	اور پر
ہم پر بھی اور اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں پر سلامتی ہو			
عِبَادِ اللّٰہِ	الصّٰلِحِیْنَ	اَشْھَدُ	اَنْ لَّآ اِلٰہَ
بندے اللہ کے	نیک	مَیں گواہی دیتا ہوں	کہ نہیں معبود
مَیں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور معبود			

اِلَّا اللّٰہُ	وَاَشْھَدُ	اَنَّ مُحَمَّدًا	عَبْدُہٗ	وَرَسُوْلُہٗ
سوائے اللہ کے	اور مَیں گواہی دیتا ہوں	کہ محمد	اُس کا بندہ	اور اس کا رسول ہے
نہیں اور مَیں یہ گواہی دیتا ہوں کہ محمد اُس کا بندہ اور اُس کا رسول ہے				